تحویل قبلہ ، انقلاب عظیم

سب سے افضل امت ، سب سے افضل قبلہ

جھنڈا قوم بناتی ہے ۔ کسی قوم کی قومیت جھنڈے سے نہیں بنتی۔ البتہ جھنڈا نشان قومیت بن جاتا ہے ۔ جھنڈے کے رنگ یا وضع قطع کا کوئی فطری تعلق قوم کی فطرت سے نہیں ہوتا ۔ البتہ کچھ روایات کا لحاظ وضع اور رنگ کے انتخاب کے وقت رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ جھنڈا خود پیکر روایات اور نشان عظمت بن جاتا ہے ۔ اس کی سربلندی یا سرنگونی قسمتِ قوم کا فیصلہ سمجھی جانے لگتی ہے ۔

تقریباً یہی شان عبادت اور عبادت کرنے کے رخ قبلہ کی ہے ۔ عبادت یعنی بندگی، نیاز مندی، عاجزی اور فروتنی کا تعلق، اندرونی احساس اور قلب وضمیر سے ہے ۔ نہ پورب[1] سے ہے نہ

---

[1] ارشاد خداوندی ہے وَ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ الآیۃ اللہ ہی کا ہے پورب اور اللہ ہی کا پچھم ۔ جس طرف بھی رخ کرلو وہاں اللہ ہے ۔ (سورہ بقرہ ۱۱۵)

پچھم سے ہے نیکی❷ اور بھلائی شرافت ، حسن اخلاق اور خوبی کردار کانام ہے۔ نیکی یہ نہیں ہے کہ مشرق کی طرف منہ کرلیں یا مغرب کی طرف مگر یہ ایک عبادت گذار (حتیٰ کہ وہ بھی جو مانتا ہے) کہ جس کی وہ عبادت کر رہا ہے وہ کسی ایک رخ یا کسی ایک جگہ میں نہیں ہے وہ لامکان و لازمان ہے۔ ہرجگہ ہے، اور ہرطرف ہے۔ عبادت کے لئے ایک رخ مقرر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ جس طرح عمل کی پابندی کے لئے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے ایسے ہی دل کے جماؤ اور توجہ کے ٹھہراؤ کیلئے بھی رخ کا مقرر کرنا ضروری ہے اور افراد قوم میں یکجہتی بھی اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب سب کی عبادت ایک ہی طرف ہی رخ پر ہو ۔❶

مکہ کے مشرک اگرچہ سرنیاز بتوں کے سامنے

---

❷ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (الآیتہ) یعنی نیکی اور بھلائی یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے پھیرلو ، پورب کی طرف یا پچھم کی طرفہ ہاں نیکی اور بھلائی اور حسن کردار اس کا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، فرشتوں پر ، کتاب (وحی الٰہی) پر اور نبیوں پر، پھر اس ایمان کے تقاضہ کو پورا کیا کہ جب کہ مال کی ضرورت تھی کہ وہ تندرست تھا، دنیاوی زندگی کا میدان اس کے سامنے تھا، اس نے اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر دیا، مال رشتہ داروں کو ، یتیموں کو ، مسکینوں کو اور مسافر کو اور سائلین کو اور گردنوں کے (چھڑانے) میں اور برپا کیا نماز کو (پوری شان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی) زکوٰۃ ادا کی اور وہ جو پورا کریں عہد جب عہد کرلیں اور جو صبر کرنے والے ہیں سختی اور شدت میں اور خوف وہراس کے وقت (آیت ۱۷۷ سورہ بقرہ)

❶ تفسیر فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ عرف تفسیر کبیر

خم کرتے تھے ۔ مگر ان کے تحت الشعور میں یہ تھا کہ ان کا قبلہ "کعبہ" ہے جس کی بنیاد حضرت آدم علیسلم نے رکھی تھی ۔ جس کی تجدید حضرت ابراہیم علیسلم اور ان کے فرزند رشید حضرت اسماعیل علیسلم نے کی، جو ہمارے مذہبی پیشوا بھی ہیں اور خاندانی مورث اعلیٰ بھی ۔

اہل شرک اور بت پرستوں کے بالمقابل اہل کتاب (یہودی اور نصرانی) تھے جن کا قبلہ بیت المقدس یا بیت اللحم تھا ۔ سیدنا حضرت محمدﷺ عبادت کے لئے اٹھے تو اگرچہ کعبہ کو آپ نے نظرانداز نہیں فرمایا ۔ مگر آپ نے قبلہ اس کو بنایا جو تقریباً ڈھائی ہزار سال سے انبیاءعلیمسلم کا قبلہ چلاآرہا تھا ۔حرم کعبہ میں آپ نماز پڑھتے تو کعبہ کے سامنے کھڑے ہوکر رخ شمال کی طرف کرتے تھے یعنی وہ قبلہ بھی آپ کے سامنے رہتا تھا۔ جو آل اسماعیل علیسلم کا قبلہ تھا اور وہ قبلہ بھی سامنے ہوتا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا۔ لیکن جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہاں یہ اجتماع قبلتین ممکن نہیں تھا، کیونکہ مکہ یہاں سے جنوب میں تھا اور بیت المقدس شمال میں، لامحالہ آپ نے انبیاءعلیہم السلام کے ڈھائی ہزار سالہ قبلہ ہی کو اختیار فرمایا ۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر کی تو اسی دیوار کو دیوار قبلہ قرار دیا جو بیت المقدس کی جانب تھی (شمالی دیوار)، لیکن سوال یہ تھا کہ اس دین کیلئے جو حق وباطل کے

لئے فرقان عظیم ہے خالص اور نکھری ہوئی توحید جس کی بنیاد ہے، جس کی تعلیم میں یہ قوت ہے کہ کبھی اس کے منسوخ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی جو ابدالآ بادتک باقی رہنے ولا کامل و مکمل دین ہے اس کا قبلہ بھی بیت المقدس رہے جو اہل شرک کا قبلہ تو بیشک نہیں ہے ۔ مگر جو اس سے وابستہ ہیں وہ خود اتحاد اور یک جہتی سے محروم دوٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہودی اورعیسائی ہر ایک ٹکڑی دوسرے کی تردید کررہی ہے اور جہاں تک اخلاق و کردار کا تعلق ہے تو اخلاق و کردار میں اہل شرک کے ہمدوش ہیں، بلکہ کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ قتل انبیاءکے دھبے بھی ان کے دامن پرنمایاں ہیں۔ اور اگر قبلہ بدلا جاتا تو قبلہ کا مسئلہ صرف ایک رخ کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک مرکز کا مسئلہ بھی ہے ۔ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیسلم کے زمانے سے لے کر حضرت عیسیٰ علیسلم کے دور تک حق پرستی ، توحید ، دعوت الی اللہ ، ہدایت و ارشاد یعنی مذہبی اور روحانی رہنمائی کا فریضہ بنواسرائیل کے سپرد رہا ہے ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بیشمار انعامات ان پر ہوتے رہے ۔ بنو اسرائیل کا دینی مرکز بیت المقدس تھا۔ اب سوال یہ بھی تھا کہ دعوت و ارشاد کی مرکزیت ، جس کو اصطلاحاً امامت ، اورخلافت الہیہ کہاجاتا ہے کیا اسی قوم کے سپرد رہے گی یا اس میں تبدیلی ہوگی۔ اگر تبدیلی ہوگی تو کیوں اور تبدیلی کے بعد جس

قوم کو یہ امامت سپرد ہوگی تو کیا اس کا قبلہ بھی یہی رہے گا یا اس کو بھی بدلاجائے گا ؟ اور اگر بدلا جائے گا تو کیوں؟

ان سوالات کے جوابات عقل و قیاس یا جذبات کی منطق سے نہیں دیئے جاسکتے تھے۔ کیونکہ کسی فرد یا قوم کو امامت نوع انسان کا درجہ خداہی کی طرف سے سپردہوتا ہے اور یہ کہ خدا پرست پرستش کے وقت اپنا رخ کس طرف کریں، یہ بھی وہی بتاسکتا ہے جس کی خوشنودی کے لئے پرستش کی جاتی ہے ۔ لیکن ایک سربراہ کو انقلاب کے موقع پر جب مختلف سوالات (اور خصوصاً جب ایسے سوالات درپیش ہوں جن کا تعلق خود انقلاب اور مقصد انقلاب سے ہو) جو تردد اورتشویش ہوسکتی ہے، اس سے کہیں زیادہ ترددداس ہادی اعظم کو درپیش تھا جو اس لئے دنیا میں آیا تھا کہ طالبان حق کو ہدایت وار شاد کی آخری منزل طے کرائے اور ان کے لئے ایسا راستہ معین کردے کہ زمانے کی کوئی بھی گردش اس میں کجی یا ناہمواری پیدا نہ کرسکے ۔ اس لئے وہ بار بار اس سمت کی طرف نظراٹھاتا جس سمت سے عقدہ کشائی کی توقع تھی ۔ ہادئ برحق کے تردد کا عکس ان[5] پر بھی

---

[5] صحابہ کرام کے ترددادور انتظار واشتیاق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تبدیلی قبلہ کی خبرجس کو پہنچی اور جس حالت میں پہنچی فوراً عمل شروع کردیا۔ جو صحابہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز میں خبر سنی تو فوراً نماز ہی میں اپنا رخ بلکہ امام سمیت پوری جماعت کا رخ شمال سے جنوب کو یعنی بیت المقدس کی جانب سے

پڑرہا تھا جو اس کے لئے اس لئے وابستہ ہوئے تھے کہ ذہنی تشویش و تردد کو اطمینان سے بدلیں اور وہ نور حاصل کریں جو نہ صرف دنیا کی تاریکیوں میں بلکہ ظلمات محشر میں بھی ان کے لئے شمع راہ ہو۔

اشارہ :

چند سال پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کو وہ شرف اعظم حاصل ہوچکا تھا جو نہ صرف نوع انسان بلکہ حق یہ ہے کہ پوری کائنات میں نہ آج تک کسی کو میسر آیا تھا نہ آئندہ آنے والا تھا۔ یعنی آپ شب معراج میں اس بلندترین مقام تک پہنچ چکے تھے جہاں تک نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی تھی نہ کسی ملک مقرب کی ، جبرئیل امین علیسلم اس سے بہت نیچے درماندہ رہ کر یہ معذرت کرچکے تھے۔

اگر یک سرموئے بالا پرم فروغ تجلی بسوزد پر م

اس عروج و سیر میں آپ نے بیت معمور ملاحظہ فرمایا تھا جس کے گرد ہرروز ستر ہزار فرشتے مصروف طواف ہوتے ہیں[2] وہیں بانی ملت حضرت ابراہیم علیسلم سے ملاقات ہوئی تھی کہ آپ بیت معمور سے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں[3] اسی سیاحت قدسی میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں پھر عرش معلیٰ کی اسی سیاحت

کعبہ کی سمت کو کرلیا ۔ (بخاری شریف وغیرہ)

[2] جن کا دوبارہ کبھی نمبر نہیں آتا (بخاری و مسلم حدیث معراج)

[3] مسلم شریف ۔

سے واپسی میں یہ ہوا تھا کہ جب بیت المقدس میں نزول اجلال ہوا تو تمام انبیاءاور مرسلین صف آراستہ ہوئے اور امامت کے لئے اسی سید الثقلین علیہلسلتلسلم کو آگے بڑھایا گیا۔❶

پنج وقتہ نمازوں کا قبلہ یہ بیت المقدس ہوا جہاں مسجد اقصیٰ ہے جو ایک گذر گاہ ہے عرش بریں پرجانے والے کا یا وہ کعبہ ہو جو نقطہ محاذات ہے ہے❷ اس بیت معمور کا جس کا طواف ملائک کے جھمگٹ ہروقت کرتے رہتے ہیں جو تکیہ گاہ ہے ابراہیم خلیل اللہ کا (علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) اس طرح کے مشاہدات اشارہ کررہے تھے کہ امام الانبیاءاور اس کی امت خیرالامم کا قبلہ خانہ کعبہ ہونا چاہئےہے مگر جہاں نص صریح اور قطعی فیصلہ کی ضرورت ہو وہاں اشاروں کو کافی نہیں سمجھا جاسکتاہ البتہ یہ اشارہ قطعی فیصلہ اور امرواضح کی توقع ضرور دلاسکتے تھے اور یہ توقع اشتیاق اور یہ اشتیاق اضطراب بن سکتا تھا اگر انتظار طویل ہوتا ۔

یہی اشتیاق واضطراب وانتظار تھا جس کی وجہ سے آپ باربار اس سمت کو نظراٹھاتے تھے، جہاں سے مراد پوری ہونے کی توقع تھی ۔ بالآخر انتظار ختم ہوا۔ جب ہجرت سے سواسال بعد فرمان خداوندی نازل ہوا :

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْہِ کَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَ لِّیَنَّکَ قِبْلَۃً

---

❶ البدایہ والنہایہ ص ۱۱۳ ج ۳۔
❷ طبری ومسنداسحاق ۔ فتح الباری ص ۲۳۵ج ۲۔

تَرْضٰـہا فَوَلِّ وَجْہَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (البقرہ۱۴۴)

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکم الٰہی کے شوق و طلب میں) تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے تو یقین کرو ہم عنقریب تمہارا رخ ایک ایسے قبلے کی طرف پھیردینے والے ہیں جو تم چاہتے ہو اور اب کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آگیا ہے تو چاہئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیرلو ۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو (نماز کے وقت) اسی طرف رخ پھیرلو" (آیت ۱۴۴)

وجوہات :

رب المشرقین والمغربین ، خالق السمٰوٰت و الارض ، رب العرش الکریم کے کسی حکم کے متعلق وجہ دریافت کرنا بے ادبی ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (الانبیاء۲۳) (وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی) اور جبکہ مشرق و مغرب اسی کا ہے اور ہرجگہ اور ہر سمت میں اس کا جلوہ یکساں ہے تو بلاشبہ اس کو اختیار ہے کہ قبلے کے لئے جو سمت چاہے مقررکردے ۔ چون وچرا کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے ۔لیکن یہ حکم جس کے پانچ کلمے ہیں فَوَلِّ وَجْہَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ۔۱۴۴)ایک انقلاب انگیز فیصلہ بھی ہے جو وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران۔۲۶) کی پوری شان اپنے اندر رکھتا ہے ۔ کیونکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ امامت

عظمیٰ اور خلافت اِلٰہِیَّہ کا منصب جس پرتقریباً ڈھائی ہزار سال سے بنو اسرائیل فائز تھے اب وہ ان سے چھن کر بنو اسماعیل کے سپر دکیا جارہا ہے ۔ وہی احکم الحاکمین جس کی بارگاہ عظمت تک کسی باز پرس کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی اپنی شان یہ بیان فرماتا ہے کہ ذرہ برابر بھی ظلم اس سے صادر نہیں ہوتا۔❶

ناممکن اور محال ہے کہ جو رب ہے پالنے پوسنے والا ہے۔ وہ اپنے ہی پیدا کئے ہوئے بندوں پر کوئی ظلم کرے ۔❷

بلاشبہ اس کی شان یہ ہے کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے) مگر اس مطلق العنان قدرت کے باوجود اس نے قوموں اور امتوں کی ذلت و عظمت کے لئے ضابطے مقرر کردیئے ہیں ۔

(الف) جس قوم کو جو نعمت وہ عطافرمادیتا ہے وہ اس میں انقلاب اور تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے ۔ (آیت ۵۳ سورہ الانفال) (اور اپنی عظمت آفرین خصوصیات کو ختم نہ کردے ۔)عروج کے بعد زوال اس ضابطے کے بموجب ہوتا ہے اور ترقی کے لئے ضابطہ یہ ہے ۔

(ب) جو حالت کسی قوم کی ہوتی ہے وہ قادر ذوالجلال اس میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے ۔ (آیت ۱۰ سورہ

---

❶ آیت ۴۰ سورہ ۴ النساء

❷ وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (حٰم سجدہ آیت ۴۶)

۱۳ رعد)

بہرحال رب ذوالجلال نے اپنی شان اور اپنے ہی منظور فرمودہ ضابطہ کا یہ احترام فرمایا ہے کہ اس انقلاب آفریں حکم کی وجوہات بیان فرمائیں اور اس تفصیل سے بیان فرمائیں کہ شاید کسی اور حکم کی وجوہات اس تفصیل سے بیان نہیں فرمائیں ۔

آپ قرآن مجید کی تلاوت شروع کیجئے سب سے پہلے آپ سورہ فاتحہ پڑھیں گے جو نرالے رنگ کی حمد وثناء ہے جس میں بندوں کو نہایت جامع دعا کی تلقین بھی ہے اور عبرت آموز سبق بھی۔ پھر وہ سورت شروع ہوتی ہے جو قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت ہے ۔

اس میں مقصد قرآن حکیم کی وضاحت کے بعد ان تین جماعتوں کا ذکر اور ان کے کردار کا بیان ہے جو کسی بھی تحریک کے برپا ہونے پر ظہور پذیر ہوجاتی ہیں یعنی (۱) ماننے والے (۲) کھلے ہوئے مخالف اور منکر (۳) وہ اغراض پر ست بزدل جن کے دلوں میں انکار بھرا ہوتا ہے اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ موافق اور فرمان بردار ہیں ۔ اس کے بعد عبادت رب کی ہدایت ہے اور اس رسول کا ذکر ہے جو طریقہ عبادت کی تعلیم دے رہا ہے جس کی تصدیق کے لئے وہ معجزہ پیش کیاگیا ہے جس کانام قرآن ہے ۔ پھر نوع انسان کی حیثیت بیان فرمائی گئی ہے کہ اس کو زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت عطا ہوئی، اس کی شان ملائک سے بھی بلند ہے ۔ اب خلافت اور امامت کا ذکر شروع ہوا تو بنو

اسرائیل کو یاد دلایا گیا ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ ان کو عطا ہوئی تھی ۔

یہ سورہ بقرہ کی آیت۴۰ ہے یہاں سے سورہ بقرہ کا پانچواں رکوع شروع ہوتا ہے۔ اس آیت سے لیکر آیت ۱۲۳ تک جو پندرھویں رکوع کے شروع میں ہے، بنو اسرائیل[1] کا تذکرہ ہے۔ ان آیات میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے انعامات شمار کرائے گئے ہیں جو بنو اسرائیل کو وقتاً فوقتاً عطا ہوتے رہے ۔ دوسری جانب اس کا تذکرہ ہے کہ باری تعالیٰ کے ان انعامات کو بنواسرائیل نے کس طرح (معاذ اللہ) پامال کیا ۔ اور کس طرح ان کی دھجیاں بکھیریں۔ ان تمام جرائم کی تفصیل تو بہت طویل ہے یہاں صرف ان جرائم کے عنوان پیش کئے جارہے ہیں جو اپنے اندر خاص اہمیت رکھتے ہیں جو ان تراسی آیتوں میں شمار کرائے گئے ہیں ۔

۱۔ اللہ سے جو عہد[2] کیا تھا۔ اس کو توڑڈالا ۔ اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالدیا (آیت ۱۰۰ ، ۱۰۱)

۲۔ حیلے بازی اور ٹال مٹول (آیت ۶۵تا ۶۶)

۳۔ قبول حق سے گریز اور اس پر فخر (آیت ۸۷ تا ۹۳)

---

[1] یعنی تراسی آیتوں میں جو دس رکوع ہیں پھیلی ہوئی ہیں ۔

[2] طاعت الٰہی اور ایمان بانبیاءکا عہد۔ توریت میں بھی اس عہد کا ذکر جابجا ہے، مثلاً تونے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے ۔ اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا اور اس کے شرعون اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا ۔ فقرہ ۱۸ باب ۲۲ (استثناء)

۴ سنگ دلی (آیت ۷۴ و ۸۸)

۵ کج بحثی (آیت ۶۸ و ۶۹)

۶ نسلی حسد (آیت ۸۹ و ۹۰ و ۱۰۹)

۷ پوری ڈھٹائی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کرنا (آیت ۸۴ و ۸۵)

۸ داعیان حق سے عناد (آیت ۸۷) ان کا مذاق بنانا (آیت ۱۰۴)

۹ احکام خداوندی کو فروخت کرنا (آیت ۴۱ و ۷۹)

۱۰ عقائد میں تحریف[3] (آیت ۸۰ و ۱۱۱)

۱۱ احکام خداوندی میں تحریف[4] (آیت ۷۵)

۱۲ موت سے گریز ، دنیا وی زندگی کی شدت حرص (آیت ۹۶)

۱۳ گوسالہ پرستی (آیت ۹۲)

۱۴ خدا کے بیٹا ماننا[5] (آیت ۱۱۶)

۱۵ انبیاءعلیہم السلام کو قتل کرڈالنا (آیت ۶۱ و ۹۱)

۱۶ جادو اور کہانت (آیت ۱۰۲ و ۱۰۳)

۱۷ گروہ بندی اور گروہ بندی کے ساتھ جنت کی ٹھیکے داری کے یہود کہتے تھے کہ جب تک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پاسکتا اور عیسائی کہتے تھے کہ

---

[3] تم نے زندہ خدا رب الافواج کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے یرمیاہ ، باب ۲۳ فقرہ ۳۷

[4] جو اپنی زبان استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے ۔ یرمیاہ باب ۲۳ فقرہ ۳۱ و ۳۲

[5] یہود اور نصاریٰ دونوں ہی نے خدا کا بیٹا مان لیا تھا یہود نے حضرت عزیر کو اور عسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیسلم کو ۔

جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو
جنت میں نہیں جاسکتا ۔ (آیت ۱۱۱)

قرآن پاک کی محولہ بالا آیتوں میں ان جرائم کو شمار کرایا گیا ہے ۔ پھر ان کی مثالیں اور شواہد پیش کئے گئے ہیں ۔

اب ایک قدرتی سوال ہے کہ جس قوم کا یہ کردار ہوچکا ہو کیا وہ اس کی اہل ہے کہ منصب امامت کی حامل رہے اور اس کے قبلہ کو نوع انسان اور دین کا مل کا قبلہ قرار دیا جائے اور اس میں تبدیلی نہ کی جائے ۔

کلام اللہ کی نظر میں تبدیلی صرف مناسب ہی نہیں ہے بلکہ اتنی ضروری ہے کہ اس پر اعتراض وہی کرسکتے ہیں جو فہم و بصیرت سے محروم اور مضحکہ انگیز نادانی (سفاہت) میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ تبدیلی قبلہ کے حکم کی تمہید اس طرح فرمائی گئی ہے:

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ
قِبْلَتِهِمُ الَّتِی كَانُوا عَلَيْهَا (البقرہ آیت ۱۴۲)

”جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں وہ کہیں گے کس بات نے ان (مسلمانوں) کو ہٹادیا اس قبلہ سے جس پرو ہ اب تک تھے ۔“

حضرت ابراہیم علیسلم سے رب ابراہیم کا وعدہ اور بنواسرائیل کی محرومی کا سبب :

سیدنا حضرت ابراہیم علیسلم کی شخصیت اور اسکی عظمت بنو اسرائیل میں بھی مسلم

تھی اور بنواسماعیل میں بھی۔ دونوں❷ ان کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے تھے۔ قرآن حکیم یہود کے جرائم شمار کرانے کے بعد خاتمہ کلام پر پھر یاد دلاتا ہے کہ ”اے بنی اسرائیل یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم کو بخشیں اور میں نے تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دی“۔ (آیت ۱۲۲)

اس یاد دہانی کے بعد حضرت ابراہیم علیسلم کا اسم گرامی لیکر وہ بشارت یاددلاتا ہے جو حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیسلم کو دی گئی تھی :

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورہ بقرہ۔۱۱۴)

”میں تمہیں انسانوں کے لئے امام بنانے والا ہوں“

پھر یاد دلاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیسلم نے یہ دریافت کیاکہ یہ شرف میری اولاد کو بھی میسر آئے گا، تو بتادیا گیا تھا :

لَا یَنَالُ عَہْدِی الظّٰلِمِیْنَ (آیت ۱۲۴)

”نہیں پہنچتا میرا اقرار نافرمانوں کو “

یعنی جو ظلم و معصیت کی راہ اختیار کریں ان کا میرے اس عہد میں کوئی حصہ نہیں ہے ۔

اس صغریٰ اور کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنو اسرائیل خود اس بشارت کے بموجب جو حضرت ابراہیم علیسلم کو دی گئی تھی اس کے مستحق

---

❷ برہمن جس برہما کی تعظیم کرتے ہیں کیا عجب ہے وہ ابرہم یا ابراہام ہی ہو ۔ عربوں نے اگر ابراہام کا ابراہیم کرلیا ہے تو اتنی تبدیلی کا حق تو بھارت کے آریوں کو بھی ہونا چاہئے کہ وہ ابرہم کا برہم اور برہما کرلیں جیسے آرین کو آریہ کرلیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حال

یں کہ ان کو منصب امامت سے معزول کردیا جائے کیونکہ وہ ظالم ہیں اور ظالم بھی ایسے کہ ان جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں جن کو گزشتہ ۸۳ آیتوں میں بیان کیاگیا ہے ۔

اب مستحق شرف کون ؟:

قرآن حکیم یاد دلاتا ہے کہ ایک "بیت" خانہ وہ ہے جس کو شروع ہی سے مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرۃ۱۲۵)بنایا گیا ہے (تمام انسانوں کا مرجع اور مرکزِ امن و حریت کا مقام)

اس بیت سے متعلق ہدایت کردی گئی تھی : وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی (البقرۃ۱۲۵) "ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بنالو ۔"

اس بیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا تھا اور حضرت ابراہیم علیسلم اور ان کے فرنزد ارجمند اسماعیل کو حکم دیا تھا : طَہِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ (البقرۃ۱۲۵)

"تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔"

پھرفرقان حمید یاددلاتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیسلم جب اس بیت کی بنیادیں (جو حضرت آدم علیسلم کے زمانہ کی تھیں) بلند کررہے تھے تو ان کے دلوں کی گہرائیوں سے ان کی زبانوں پر یہ دعا بھی جاری

تھی :

”ا􀀁 پروردگار! 􀀁مارا ی􀀁 عمل تیر􀀁 حضور قبول 􀀁و 􀀁 بلاشب􀀁 تو 􀀁ی 􀀁􀀁 جو دعاؤں کا سنن􀀁 والا اور (مصالح عالم) کا جانن􀀁 والا 􀀁􀀁􀀁 ا􀀁 پروردگار! (اپن􀀁 فضل وکرم س􀀁) 􀀁میں ایسی توفیق د􀀁 ک􀀁 􀀁م سچ􀀁 مسلم (تیر􀀁 احکام ک􀀁 فرمانبردار) بن جائیں اور 􀀁ماری نسل س􀀁 بھی ایسی امت پیدا کر جو تیر􀀁 حکموں کی فرمانبردار 􀀁و􀀁 خداوند 􀀁میں 􀀁ماری عبادت ک􀀁 طور وطریق بتاد􀀁 اور􀀁ماری کوتا􀀁یوں س􀀁 درگزر فرما اور اپنی عنایت س􀀁 نواز ، بلاشب􀀁 تیری ذات 􀀁􀀁 جس ک􀀁 درگذر کرن􀀁 کی کوئی انت􀀁ا ن􀀁یں جو رحم کرن􀀁 والی 􀀁􀀁”􀀁 (آیت ١٢٧ 􀀁١٢٨)

اسی سلسل􀀁 میں ان کی دعا ی􀀁 بھی تھی :

”ا􀀁 􀀁مار􀀁 رب! (اپن􀀁 فضل و کرم س􀀁) ایسا کیجئو ک􀀁 اس بستی ک􀀁 بسن􀀁 والوں میں تیرا ایک رسول پیدا 􀀁و جو ان􀀁یں میں س􀀁 􀀁و 􀀁 و􀀁 تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کوسنائ􀀁، کتاب اور حکمت کی تعلیم د􀀁 اور اپنی پیغمبران􀀁 تربیت س􀀁 ان ک􀀁 دلوں کو مانجھ د􀀁􀀁” (آیت ١٢٩)

اس ک􀀁 بعد کلام الٰ􀀁ی تنبی􀀁 کرتا 􀀁􀀁􀀁 ابرا􀀁یم علیسلم کا مسلک تھا :

(١) توحید خالص ، خدا واحد کی پرستش، جس میں کسی طرح ک􀀁 شرک کاشائب􀀁 بھی ن􀀁یں

تھا ۔ (آیت ۱۳۲)

(۲) سپردگی اور فرمانبرداری۔ یعنی اپنے آپ کو خدا کے حوالے کردینا اور اس کے احکام کی پوری طرح تعمیل کرنا ۔ (آیت ۱۳۱)

یہی توحید خالص اور تسلیم ورضا تھی جس نے حضرت ابراہیم علیسلم کو امام الناس بنایا اور یہی نعمت بنواسرائیل کو عطا ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کو عالمین دنیا جہان پر فضیلت بخشی گئی تھی ۔

ابراہیم علیسلم نے اپنے اسی مسلک کی وصیت اپنی اولاد کو کی تھی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں جس قدر نبی آئے سب نے اسی مسلک کو مضبوطی سے اختیار کیا۔ یہ تمہاری دھڑے بندی جس کانام یہودیت اور نصرانیت ہے، ان سب انبیاء علیمسلم کا دامن اس سے پاک رہا۔ (آیت ۱۴) تمہاری اسی دھڑے بندی کانتیجہ ہے کہ کسی نبی کو مانتے ہو کسی کو نہیں مانا یہاں تک کہ قتل بھی کردیا۔ اسی دھڑے بندی نے تم کو منصب امامت سے محروم کیا ۔ درجۂ افضلیت سے نیچے گراکر ذلت و مسکنت کے گڑھے میں ڈالا۔ غضب الٰہی کو تمہاری گردنوں کا طوق بنادیا۔ آج سب سے افضل وہ ہے جو اس دھڑے بندی سے بالاو برتر ہوکر مسلک ابراہیمی کو مضبوطی سے سنبھالے ۔ خداءواحد کا پرستار حقیقی بن کر اپنے آپ کو خدا کے حوالے کردے۔

آج یہ شرف محمدؐ اور آپ کی امت کو حاصل

ہے۔ لہذا وہی افضل الناس اور امت وسط ہے اور اسی افضلیت کی بنا پر یہ فیصلہ بھی کیا جارہا ہے۔ اس کا قبلہ وہ ہوگا جس کی حرمت وعظمت عہد قدیم سے چلی آرہی ہے جس کے معمار ابراہیم اور اسماعیل علیسلم تھے۔

پس منظر پر آپ نظرڈال چکے ۔ اب ان آیتوں کا مضمون مطالعہ فرمائیے جن میں تحویل قبلہ کا حکم ہے جس کا یہ پس منظر تھا ۔

ترجمہ: "جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں وہ کہیں گے مسلمان جس قبلے کی طرف رخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے، کیا بات ہوئی کہ ان کا رخ اس سے پھرگیا؟ (اے نبی) تم کہو پورب ہو یا پچھم سب اللہ ہی کے لئے ہے (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں)وہ جس کسی کو چاہتا ہے سیدھی راہ چلادیتا ہے ۔

"اور (اے مسلمانو! جس طرح یہ بات ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قبلہ قرار پایا) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں امتہ وسط (نیک ترین ، عادل اور معتدل) امت بنادیا تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر (یعنی ایک بہتر نمونہ اور معیار کے نوع انسان کی ہرامت کو اسی سانچے میں ڈھلنا اور اسی معیار پر اترنا چاہئے) اور رسول گواہ رہیں تم پر (وہ تمہارے لئے نمونہ اور معیار ہیں کہ امت اسلامیہ کو اس معیار پر پورا ہونا اور اس سانچے میں ڈھلنا چاہئے)۔ اور ہم نے تمہیں اس قبلے پر جس کی طرف تم رخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے اسی لئے

رکھا تھا کہ وقت پر معلوم ہوجائے کہ کون لوگ واقعی اللہ کے رسول کی پیروی ❶کرتے ہیں اور کون الٹے پاؤں پھرجاتے ہیں ۔ یہ حکم بہت گراں (اور سخت آزمائش کا حکم ہے) ۔ مگر ان لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ دکھادی ہے (اور وہ اطاعت رسول کے ذوق سلیم سے بہرہ ور ہیں) اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہوجانے دے تمہارے ایمان کو (کہ جو نماز میں بتقاضاءایمان باللہ و ایمان بالرسول ، بیت المقدس کی طرف رخ کرکے پڑھیں ان کو بیکار قرار دے)۔بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا شفیق ہے (خصوصاً ان پر جنہوں نے اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کوئی کام کیا ۔ اور تبدیلی قبلہ کے متعلق اس کا یہ حکم بھی سراسر شفقت ہی ہے)۔

“(اے پیغمبر!) ہم دیکھ رہے ہیںکہ حکم الٰہی کے شوق وطلب میں تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ اٹھ جاتا ہے، تو یقین کرو ہم آپ کا رخ اسی قبلہ کی طرف پھیردیں گے جس کو آپ چاہتے ہیں (اچھا) اب کرلیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اورتم لوگ (آپ اور آپ کے ساتھی) جہاں بھی ہو اپنے چہرے پھیرلیاکرو اسی طرف، اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے (یہود اور نصاریٰ) وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے پروردگار کی طرف سے ایک امر

---

❶ یعنی سپردگی اور حکم خدا کی تعمیل کے لئے سرتاسراطاعت بن جانا جو ملت ابراہیم کی خصوصیت ہے کس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، کس میں نہیں پائی جاتی (واللہ اعلم)

حق ہے (کیونکہ ان کے مقدس نوشتوں میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے)۔ اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان کی کارروائیوں سے۔ اور اگر تم اہل کتاب کے سامنے دنیا جہان کی ساری دلیلیں بھی پیش کردو جب بھی وہ تمہارے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ (علم و بصیرت کی پوری روشنی حاصل ہونے کے بعد) تم ان کے قبلے کی پیروی کرنے لگو اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کو ماننے والے ہیں۔ (یہود کا قبلہ ہیکل بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں (ابن جریر وغیرہ)

(اور دیکھو) اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجود یکہ تمہیں اس بارے میں علم حاصل ہوچکا ہے (قبلہ کے متعلق وحی نازل ہوچکی ہے) تو تم بھی ان میں آجاؤ گے جو (نافرمانی کرکے اپنے اوپر) ظلم کرتے ہیں اور جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں وہ آپ[1] کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں لیکن اس پر ایک گروہ ان میں ایسا ہے جوجان بوجھ کر سچائی کو چھپاتا ہے (تحویل قبلہ کا یہ معاملہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امرحق ہے، پر ہرگز ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہوجاؤ۔“

---

[1] آنحضرت ﷺ کو ۔

نکاح السیدہ فاطمہ الزہراء (رضی اللہ عنہا)

ارشاد خداوندی ہے :

وَ اَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَ الصّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

"نکاح کر دو ان کا جو تم میں بے نکاح ہوں اور اپنے غلاموں اور باندیوں کا بھی جو اس قابل ہوں اگر مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے" (سورہ النور ۳۲)

آنحضرتﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے ہدایت فرمائی:

"علی! تین کام ہیں ان میں تاخیر ہرگز نہ کرنا۔ (۱) نماز جب اس کا وقت ہوجائے ' (۲) جنازہ جب آجائے ، (۳)بے نکاح جب اس کا کفو مل جائے [۵]ـ"

---

[۵] ترمذی شریف باب ماجاءفی الوقت الاول من الفضل ص ۲۴

ہمـارا طـریقہ یہ ہے کہ ہم پہلے "غنا" چاہتے ہیں، پھر نکاح مگر فرمـان خداونـدی نے نکـاح کـو مقدم رکھا اور غنا کا خود وعدہ فرمایا۔

اس کی عجیب و غریب مثال حضـرت علی اور سیدہ فاطمہ الزہرا ضللہعنہا کا نکاح ہے۔ حضـرت علیضللہعنہ اپنے والد خـواجہ ابـو طـالب کی وفـات کے وقت اگرچہ جـوان تھے، تقریبـاً بیس سـال کی عمر تھی، مگر آنحضرتﷺ نے ان کو بچپن ہی سـے اپنی تربیت میں لے لیا تھـا اور خـواجہ ابـو طـالب کو ان کی طرف سے بے فکر کردیا تھا ۔

ابــو طـالب دولت منــد نہیں تھے کہ ان کے وارث ان کے ترکے سـے دولت منــد ہوجـائے ۔ اس کے علاوہ ہجـرت کـرنے والے بـزرگ وہ تھے کہ دولت مند[2] بھی فقیر ہوگئے تھے۔ لہذا حضرت علی ضللہعنہ کے پـاس بھی جو تھا وہ توکل کا سرمایہ تھا اور بس ۔

حضرت فاطمہ ضللہعنہ کی عمر پندرہ سال کے قریب ہوئی تو رشتے آنے شـروع ہوگـئے۔ حضـرت علی ضـللہعنہ کـو بھی مشـورہ دیاگیـا کہ وہ بھی

---

[2] آنحضـرت ﷺ نے مکہ معظمہ میں بھی مواخـات (بھـائی چارہ) قائم فرمایا تھا تو حضرت علی ضللہعنہ کو یہ شــرف حاصل ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ شامل کیا اور اخ قرار دیا ۔ مدینہ منورہ میں جـو مہاجرین اورانصـار کـرام میں مواخــات رشــتہ اخــوت قــائم فرمایــا اس میں حضرت علی ضللہعنہ کا اسم گـرامی نہیں آتـا گویـا آپ کی مواخـات قـائم رہی جـو آنحضـرت ﷺ سـے مکہ معظمہ میں قائم ہوگـئی تھی مقصـد یہ کہ سلسـلہ مواخـات سـے جـو سہولت حضـرات مہاجرین کـو مـل گـئی تھی کہ رہنے اور کاشت وغیرہ کا انتظام ہوگیا تھا حضرت علی ضللہعنہ کـو یہ سہولت بھی نہیں ملی تھی ۔

خواســتگاری پیش کــردیں۔ مگــر حضــرت علی ضللہعنہ کو احساس تھا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی آپ نے مشورہ دینے والوں سے بھی کہا ۔ مگر تہی دستی اور غربت کا عذر کسی نے بھی قابل التفات نہیں سمجھا ۔مشورہ دینے والوں نے یہی کہاکہ بارگاہ رسالت میں اس کی ضرورت نہیں کہ تمہارے پاس دولت ہو۔ اس کے علاوہ آنحضرتﷺ آپ کے مشفق مربی ہیں۔ تمہارا گوشہ خاطر معلوم ہوجائے گا تو وہ خود منظور فرمالیں گے۔ حضرت علی ضللہعنہ فرماتے ہیں مجھ پر مشورہ دینے والوں نے اتنا اصرار کیا کہ بالآخر مجھے تعمیل کرنی پڑی۔ میں نے بڑی ہمت سے کام لیا۔ خدمت مبارک میں حاضر ہوا، مگر ایک طرف میری شرم وحیا، دوسری طرف ذات اقدس کا رعب و جلال ، حاضر ہونے کو حاضر ہوگیا مگر زبان بند ، طبیعت محجوب ، خاموش بیٹھ گیا۔ آنحضرتﷺ کی مربیانہ شفقت ہی کارفرما ہوئی۔ خود دریافت فرمایا : کیسے آئے ہو، کچھ کام ہے؟ اس کے جواب میں بھی خاموشی ہی تھی ۔ پھر خود ہی فرمایا: فاطمہ سے رشتے کے لئے آئے ہو ؟

میں نے عرض کیا: ”نعم“

فرمایا : پھر کیا دوگے؟

میں نے عرض کیا، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ۔

ارشاد ہوا : میں نے تمہیں زرہ دی تھی وہ کیا

ہوئی ہے۔[1]

جیسے ہی آنحضرت ﷺ کا اشارہ سمجھ میں آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ بیچنے کی نیت کرلی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں بیچ کر پوری رقم اپنے مربی و سرپرست آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کردی ۔ اس میں سے تقریباً ایک تہائی خوشبو پر خرچ ہوئی باقی دوسری ضرورتوں پر ۔

آپ نے احباب کو طلب فرمایا : اور نکاح پڑھ دیا ۔

مکان کا انتظام :

دُلہن کو لانے کے لئے مکان کی ضرورت ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مکان کرایہ پر لیا ۔ دلہن کو وہیں اتارا، پھر مستقل قیام کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا گیا کہ حضرت حارثہ بن نعمان کے مکان خالی پڑے ہیں، ان سے ایک مکان لے لو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خودداری نے مکان کی فرمائش کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ کسی طرح حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا تو سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : یارسول اللہ سارے مکان آپ کے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو پسند فرمائیں وہ اس مکان کی خوش بختی ہوگی۔ میں اسی مکان کو جس کو آپ لیں گے زیادہ محبوب

---

[1] مشورہ دینے، پھر حاضری اور گفتگو کی یہ تمام تفصیل البدایہ والنہایہ سے ماخوذ ہے۔ ص ۳۶۶ ج ۳

(اور مبارک سمجھوں گا) بمقابلہ اس کے جو آپ کے کام میں نہیں آئے گا ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : صدقت بارک اللہ (آپ نے سچ فرمایا: اللہ آپ کو برکت دے)۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ دوسرے مکان میں منتقل ہوگئے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مکان میں لاکر اُتارا۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پاکباز مقربین کو کس طرح محفوظ رکھتا ہے :

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنی دلہن (فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ)ـ کو رخصت کرانے کا[1] ارادہ کیا تو میں نے بنی قینقاع کے ایک سنار کی شرکت سے ایک کام کرنا چاہا۔ خیال یہ تھا کہ نفع ہوگا تو ولیمہ کرسکوں گا ۔

صورت یہ تھی کہ غزوۂ بدر کے مال غنیمت سے مجھے ایک ناقہ ملی تھی اور ایک اونٹنی مجھ کو آنحضرت ﷺ نے عنایت فرمائی تھی۔ جب میرے پاس دو اونٹ ہوگئے تو میں نے قبیلہ بنی قینقاع کے ایک سنار سے یہ طے کیا کہ ہم دونوں ان اونٹوں پر جنگل سے اذخر لے آیا کرینگے اور اس کوبازار میں بیچ دیا کرینگے۔ یہ معاملا نفع ہی کا تھا اس میں نقصان کا سوال ہی نہیں تھا لیکن خدا کو منظور نہیں تھا کہ امام الاولیا بے فکری سے ولیمہ کریں ۔

یہ زمانہ وہ تھا اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت علی اور آنحضرت ﷺ کے

---

[1] بخاری شریف ص ۲۸۰

عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے غزوۂ احد میں شہید ہوکر سید الشہداء کا خطاب (لسان نبوت سے حاصل کیا) وہ جیسے بہادر تھے ایسے ہی منچلے بھی تھے۔ قیام گاہ پر کچھ احباب اکٹھے تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ کسی نے کہا شراب کے ساتھ اونٹنیوں کے کوہان کے کباب بھی ہونے چاہئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں اونٹنیاں سامنے کھڑی تھیں۔ حضرت حمزہ فوراً اٹھے اور دونوں اونٹنیوں کے کوہان نکال لئے اور کوہیں چاک کرکے گردے وغیرہ نکال لئے۔ احباب کی فرمائش[2] پوری کردی مگر ولیمہ کے متعلق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سارا منصوبہ ختم ہوگیا ۔ اسی لئے کہتے ہیں "نزدیکاں رابیش بودحیرانی"

نکاح سے کچھ عرصہ بعد رخصتی :

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کا نکاح پہلے ہوچکا تھا اور رخصتی نو ماہ[1] بعد ہوئی تھی ۔ بخاری شریف کی مذکورہ بالا روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے ۔

جہیز :

تاجدار دوعالم شاہ کونین نے اپنی لخت جگر سیدہ نساء اہل الجنہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو

---

[2] بخاری شریف ص ۳۲۰ و ص ۴۳۴ وغیرہ

[1] الاستیعاب والبدایہ ولنہایہ ص ۳۴۶ ج ۳

جو جہیز دیا اس کی فہرست[2] یہ ہے :

لحاف: ایک

چمڑے کا گدا جس میں کسی درخت کی چھال بھری ہوئی تھی : ایک

چکیاں : دو

مشکیزہ: ایک ،

مٹی کے گھڑے : دو

صلوات اللّٰہ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

---

[2] الاصابہ والترغیب والترہیب، باب الترغیب فی الاذکار بعد الصلوٰت

مقاصد بعثت ، فرائض نبوت اور تکمیل

دعاءاور قبولیت دعا

سیدنا حضرت ابراہیم علیسلم جب بیت اللہ کی بنیادیں بلند کررہے تھے تو دل کی تمناؤں کے ترجمان دعائیہ کلمات یہ تھے جو زبان مبارک پر جاری تھے :

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرہ ۱۲۹)

”اے ہمارے رب! اٹھا ان میں سے ایک رسول انہیں میں کا جو پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھادے ان کو کتاب اور پکی باتیں اور ان کو سنوارے“

قبولیت دعا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ

(سورہ الجمعہ ۲)

”وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھتا ان پاس اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور سکھاتا کتاب اور

عقلمندی۔“ (شاہ عبدالقادر)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔” (سورۃ آل عمران ۔ ۱۶۴)

”اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات (شاہ عبدالقادر)

”ومے آموزو آن را کتاب وعلم “ (شاہ ولی اللہ)

دعاءاور قبولیت دعا کے الفاظ پر دوبارہ نظرڈال لیجئے۔ حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد یہ تھے :

تلاوت آیات اللہ ، تعلیم کتاب اللہ ، تعلیم الحکمہ ، تزکیہ

تشریح

تلاوت اٰیات اللہ :

یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ کا ترجمہ یہی کیاگیا ہے۔ “پڑھتا ہے ان پر آیتیں ” ۔لیکن پڑھنے ہی کے لئے لفظ قرأت بھی آتا ہے ۔ آنحضرتﷺ کو حکم ہوا کہ پڑھو تو قرأت کا لفظ ہی لایا گیا : اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ مگریہاں دعا میں بھی یَتْلُوْا ہے اور قبولیت دعا میں بھی “یَتْلُوْا” ہی ارشاد ہوا ہے یعنی تلاوت کرتا ہے تو کیا قرأت اور تلاوت میں کچھ فرق ہے ؟

واقعہ یہی ہے کہ تلاوت اور قرأت میں فرق ہے

ہ تلاوت کے معنی[1] صرف پڑھنے کے نہیں ہیں بلکہ تلاوت میں عمل بھی ملحوظ ہوتا ہے ۔ پھر عمل بھی ایسا کہ تسلسل کے ساتھ ہوتا رہے ۔ یعنی تلاوت میں صرف قول نہیں ہوتا بلکہ "قول مع[2] سعی پیہم" یعنی جس طرح آپ آیتیں سنائیں گے ساتھ ساتھ عمل اور عمل کے تسلسل کا بھی مشاہدہ کرادیں گے، یعنی جس طرح یہ ایک معجزہ ہے کہ "ایک اُمی محض" جس نے عمر عزیز کے چالیس دور اس طرح گذارے کہ پڑھنے پڑھانے سے ناآشنا تھا اس کو "اقرأ" کا حکم

---

[1] یہ مقصد نہیں ہے کہ تلاوت قراءت اور پڑھنے کے معنی میں نہیں آتا ۔ قرآن شریف میں بہت جگہ محض پڑھنے کے معنیٰ میں بھی آیا ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ (مائدہ۔۲۷) اور نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ (القصص۔۳)وغیرہ ہے مگر جب ماخذ کا لحاظ کیاجائے تو صرف قرأت کے معنی نہیں ہوتے بلکہ کچھ اضافہ بھی ہوتا ہے ۔ تفصیل دوسرے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیے ۔

[2] تلاوت کا ماخذ "تلو" ہے جس کے معنی ہیں اتباع کرنا، پیچھے چلنا، اس طرح کہ آپ میں اور جس کے پیچھے چل رہے ہیں اس کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہ ہو ۔ تلاہ، تبعہ متابعہ لیس بینہم مالیس منہا وذٰلک یکون تارة بالجسم وتارة بالاقتداءفی الحکم ومصدرہ تلووتلو وتارة بالقراءة اوتدیرالمعنی مصدرہ تلاوة والقمر اذاتلاھا ارادبہ ھٰھنا الاتباع علی سبیل الاقتداءوالمرتبة وذلک انہ یقال ان القمر ھویقتبس النور من الشمس وھولھا بمنزلة الخلیفة (ثم قال) والتلاوة تختص باتباع کتب اللہ المنزلة تارة بالقرأة وتارة بالارتسام لمافیھا من امرونھی وترغیب وترھیب اومایتوھم فیہ ذلک وھوا خص من القراءفکل تلاوة قراءة ولیس کل قراءة تلاوة لایقال تلوت رفعتک وانما یقال فی القرأن فی شئٍ اذا قرأتہ وجب علیک اتباعہ (المفردات فی غریب القرأن)

ہوریا ہے اور وہ قرأت کررہا ہے اسی طرح اس معجزہ کے ساتھ ایک عجیب و غریب مشاہدہ بھی ہے کہ پڑھ کر سنانے والا جوکچھ پڑھتا ہے وہ خود اس کی عملی تصویر بن جاتا ہے ۔ یعنی پڑھنے کے ساتھ ایسا کردار بھی پیش کرتا ہے کہ آپ اس کے عمل سے بھی اس کو پڑھ سکتے ہیں۔

ایک مثال ملاحظہ فرمایئے ۔

ارشاد ربانی ہے :

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ (سورہ اسراء۷۸، ۷۹)

شاہ صاحبان کے الفاظ میں اردو اور فارسی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے ۔

”کھڑی رکھ نماز سورج کے[1] ڈھلنے سے ، رات کی اندھیری تک اور قرآن پڑھنا فجر کا ۔ بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو[2] ۔ اور کچھ رات جاگتا رہ اس میں ، یہ بڑھتی ہے تجھ کو ، شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام[3]

---

[1] یعنی کواکب پرستوں کے طریقہ کے برخلاف کواکب پرست طلوع آفتاب کے وقت آفتاب کی پوجا کرتے ہیں تو خدا پرستوں کی عبادت طلوع آفتاب سے پہلے ہوتی ہے یا زوال آفتاب کے بعد ۔ واللہ اعلم بالصواب

[2] یعنی دن اور رات کے کار پرداز فرشتے اس وقت جمع ہوتے ہیں وہ قرأت سنتے ہیں کیونکہ وہ قرأت نہیں کرسکتے ان کا وظیفہ تسبیح و تحمید ہوتاہے ۔ (واللہ اعلم)

[3] وہ تعریف کا مقام ہے شفاعت کاجب کوئی نہ بول سکے گا تب حضرت عرض کرکرخلق کو چھڑادینگے تکلیف سے (موضح القرآن)

میں “ (شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ)

“برپا دار نماز را ، وقت زوال آفتاب ہ تا ہجوم تاریکی شب ، ولازم گیر قرآن خواندن فجر را ، ہرآئینہ قرآن خواندن فجررا حاضر میشوند فرشتگان ہ ودر بعض شب بیدار باش بقرآن شب خیزی زیادہ شد برائے تو ہ نزدیک است کہ ایستادہ کندتراپروردگار تو بمقام پسندیدہ

“(شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ)

وحی الٰہی کے کلمات کو شمار کیجئے جو ان آیتوں میں ہیں کل تیس لفظ ہیں مگر آنحضرتﷺ کے عمل اور کردار پر نظرڈالئے تو دفتر بے پایاں ہے ۔ پانچ فرض ان کے اجراءترکیبی ، قیام ، رکوع ، سجدہ وغیرہ ۔ ان کے اوقات ، پڑھنے کا انفرادی اورجماعتی طریقہ پھر ہر ایک کے ساتھ سنتیں ، نفلیں، ان کے آداب اور طریقے جو احادیث کے سینکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ سب تلاوت کے معنی واضح کررہے ہیں ۔

فریضہ نماز عام مسلمانوں کے لئے :

چار وقت کی وہ نمازیں جن کا سلسلہ آفتاب ڈھلنے کے وقت سے شروع ہوکر اندھیری رات گئے تک رہتا ہے اور پانچویں وقت کی نماز (صبح کی نماز) جس میں قرآن شریف پڑھنے کی خاص تاکید ہے، کیونکہ یہ “مشہود” ہوتا ہے۔ یعنی اس وقت دن اور رات کے کارگزار فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے ۔ یہ پانچ نمازیں آنحضرتﷺ کی طرح

تمام مسلمانوں پر فرض ہیں ۔

آنحضرت ﷺ کی خصوصیت :

لیکن آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ آپ کے لئے ایک اور حکم بھی ہے "فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" (بنی اسرائیل ۷۹)جس کے معنی حضرت شاہ عبدالقادر ؒ نے یہ کئے ہیں : "کچھ رات جاگتا رہ اس میں (نماز پڑھنے میں) یہ بڑھتی ہے تجھ کو"۔ یعنی یہ خاص طور پر آپ کے حق میں اضافہ ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ کیا ہے ۔ "شب خیزی زیادہ شدبرائے تو" گویا نماز تہجد بھی آپ پر فرض ہے ۔ یہ فرض امت پر نہیں۔ امت کے حق میں صرف سنت ہے ، نہ پڑھیں تو کوئی گناہ نہیں ، مگر آپ کے حق میں فرض ہے ۔

اس خصوصیت کی علت اور حکمت بھی بیان کردی گئی کہ آپ کو مقام محمود کا منصب عالی عطا کرتا ہے ۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل ۷۹) (قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچائے جو عالمگیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو ، جس کی ہرطرح تعریف کی جائے)

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے :

یہ ایک عام اصول ہے یہاں یہی ظاہر کرنا ہے کہ سرورکائنات ﷺ کا جس طرح یہ مقام عالی ہے کہ "بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اسی

طرح آپ کے فرائض میں بھی اضافہ❶ ہے اور ایسا اضافہ کہ عام انسانوں کو یہ حوصلہ نہیں ہے کہ اس اضافہ کو برداشت کرسکیں ۔ یہ حوصلہ بھی رب محمد نے صرف محمدہی کو عطافرمایا تھا ۔ جس نے اس اضافہ کو برداشت❷ کیا ۔

بسلسلہ عبادت آنحضرت ﷺ کی

❶ مگر یہ اضافہ عجیب قسم کا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یارسول اللہ آپ تو معصوم و مغفور ہیں پھر یہ ریاضت کیوں کہ پائے مبارکہ پر ورم آجاتا ہے تو آپ نے جواب دیا ۔ افلااکون عبداشکوراً "کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں" بخاری شریف ص ۷۱۶ یعنی عام اہل ایمان کے لئے فرضیت اس لئے ہے کہ گناہوں کا کفارہ ہو اور آپ کے لئے فرضیت بربناءشکر ہے ۔ اسی لئے نفلیں جو شکرادا کرنے کے لئے ہوتی ہیں وہ آپ کے حق میں فرض ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

❷ برداشت کرنے کی صورت ملاحظہ فرمائیے ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نیت باندھنے میں آپ نے تین دفعہ اللہ اکبر فرمایا ، پھر فرمایا : ذوالملکوت والجبرووالکبریاءوالعظمہ (مالک ملک ، اقتدار اعلیٰ کا مالک ، بڑائی اور عظمت والا) پھر قرأت شروع کی تو پوری سورہ بقرہ نہایت اطمینان سے پڑھی پر اسی کے مناسب بہت طویل رکوع کیاۓ پھر اتنا ہی طویل قیام کیا پھراتنا ہی طویل سجدہ کیا ، سجدہ کے بعد بڑے اطمینان سے دیر تک بیٹھے رہے ۔ پھردوسراسجدہ کرکے کھڑے ہوئے تو سورہ آل عمران پوری پڑھی ۔ تیسری رکعت میں سورہ نساءمکمل چوتھی رکعت میں سورہ مائدہ یاسورۂ الانعام پوری پڑھی ۔ صحابی کے بعد کے راوی شعبہ کو شک ہے کہ کونسی سورت کا نام لیاتھا ۔ (ابوداؤد باب مایقول فی الرکوع) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ ایسا بھی کرتے تھے کہ تین دفعہ میں تہجدپڑھاکرتۓ تھے یعنی ایک مرتبہ اٹھے وضو کیا مسواک کی ، نفلیں پڑھیں پھر آرام فرمایا ، تھوڑی دیر تک سوتے رہے پھر اٹھے اس طرح تین دفعہ سوئے پھر اٹھے اور نوافل

خصوصیات

نماز کے سلسلے میں صرف یہی نہیں کہ تہجد آپ پر فرض تھا بلکہ تہجد کے علاوہ بھی اور نوافل آپ کے حق میں فرض کادرجہ [۵]رکھتی تھیں ۔

روزہ :

نماز کے علاوہ روزہ کے بارے میں خصوصیت یہ تھی کہ چند روز کا مسلسل روزہ کے بیچ میں افطار قطعاً نہ ہو، امت کو اس کی اجازت نہیں ۔ مگر آنحضرتﷺ کا معمول تھا ۔

پڑھتے تھے (مسلم شریف) ظاہر ہے باربار اٹھنا کتنا شاق ہوتا ہے ۔ پھرتلاوت کی صورت حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان فرمائی کہ ایک ایک حرف الگ الگ کھینچ کر (بخاری شریف ، ابوداؤد ، ترمذی وغیرہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آخرمیں آپ تہجد کی نماز بیٹھ کر ادا فرماتے تھے مگر صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے بیٹھ کر پڑھتے رہتے جب تیس چالیس آیتیں رہ جاتیں تو کھڑے ہوکر پڑھتے ، پھر رکوع کیا کرتے تھے ۔ (بخاری شریف ص ۱۲۵ و ص ۱۵۱ وغیرہ)

[۵] مثلاً ظہر کی سنتیں اگر وقت پر نہ پڑھی جائیں تو ان کی قضا نہیں ہے ۔ لیکن ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی ظہر کی سنتیں رہ گئیں تو آپ نے نماز عصر کے بعد ان کو پڑھا۔ بخاری شریف ص ۱۶۴ و ۱۶۵ پھر ان کو معمول بنالیا ۔ بخاری شریف ص ۸۳ حالانکہ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک اور نماز صبح کے بعد سے طلوع آفتاب تک نوافل سے آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے ۔ بخاری شریف ص ۸۳ مگر چونکہ آپ کے حق میں نوافل فرض کا درجہ رکھتی تھیں لہذا آپ نے عصر کے بعد یہ نفلیں پڑھیں (واللہ اعلم بالصواب)

ایک مرتبہ صحابہ کرام نے اصرار کرکے اجازت[2] حاصل کی اور مسلسل روزے رکھنا شروع کیا مگر صرف دو روز بعد ہی اندازہ ہوگیا ۔

نہ ہرجائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

حضرات علماءنے روزے کے تین درجے قرار دیئے ہیں:

(۱) عوام کا روزہ یعنی فقہی قاعدوں کے مطابق کھانے پینے وغیرہ سے رکنا ، اورمکروہات و محرکات یعنی غیبت ، جھوٹ ، خیانت ، حسد ، مکر و فریب وغیرہ سے اجتناب و احتیاط ۔

(۲) خواص کا روزہ، یعنی صرف مکروہات و محرکات سے اجتناب نہیں بلکہ ایسی جائز چیزوں سے بھی احتیاط برتی جائے جو یاد خدا سے غافل کردیں ۔ مثلاً شعر شاعری ، یاشکار وغیرہ

(۳) اخص الخواص کا روزہ ۔ اللہ کے سوا ہر چیز سے یکسوئی اور برطرفی اور صرف ذات حق جل مجدہ ، میں محویت اور اس کی ذات وصفات میں ایسی مشغولیت کہ وہی جملہ توجہات کا محور ہو۔

آنحضرتﷺ کے روزہ کی یہی شان ہوتی تھی اور یہ شان نقطہ عروج پر پہنچ جاتی تھی جب آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایاکرتے تھے ۔

آنحضرتﷺ کا ارشادہے:[3]

---

[2] بخاری شریف ص ۲۶۳ باب التنکیل لمن اکثر الوصال ۔

[3] مشکوٰۃ شریف از شعب الایمان للبیہقی باب الشفقہ والرحمہ علی الخلق ۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

ترجمہ : "مخلوق ، اللہ کا کنبہ ہے ، بس خلق خدا میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کے عیال پر احسان کرے۔"

عجیب و غریب بات یہ ہوتی تھی کہ جس طرح توجہ الی اللہ اور ذات حق میں انہماک بڑھتا تھا اتنا ہی اس کی مخلوق کے حق میں رحم و کرم اور جود وسخا کا درجہ بڑھتا تھا یعنی پروردگار کی محبت اس کی پروردہ مخلوق پر لطف و احسان کی صورت میں جلوہ گر ہوتی تھی ۔ سیدہ عائشہ صدیقہ ضاللہعنہا کی شہادت ملاحظہ فرمایئے ۔

کان رسول اللہ ﷺ اجودالناس وکان اجودمایکون فی رمضان حین یلقاہ جبرئیل وکان یلقاہ فی کل لیلة من رمضان فیدارسہ القران فلرسول اللہ ﷺ اجود بالخیرمن الریح المرسلة [1]

"(یعنی) رسول اللہﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی بے پناہ سخاوت کا زیادہ ظہور رمضان میں ہوتا تھاـ جب حضرت جبرئیل علیسلم آپ سے ملاقات کیا کرتے تھے اور حضرت جبرئیل علیسلم کی ملاقات رمضان شریف کی ہر ایک رات میں ہوتی تھی ۔ وہ آپ سے قرآن شریف کا دور کیاکرتے تھے ۔ بس واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتﷺ کی سخاوت اور بخشش جو سال بھرنسیم صبح رہتی تھی اس زمانے میں وہ آندھی سے زیادہ تیز

---

[1] بخاری شریف ص ۲ و ص ۲۵۵ وغیرہ

ہوجاتی تھی جس کے جھونکے کسی رکاوٹ کے پابند نہیں ہوتے ہرطرف پہنچتے ہیں اور ہر ایک کو متاثر کرتے ہیں ۔

زکوٰۃ :

امت کے لئے ایک نصاب معین کیاگیا کہ اس سے کم پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہوتی، اور جب واجب ہوجاتی ہے تو صرف چالیسواں حصہ دینا ہوتا ہے ، باقی سب مال حلال ومباح بلکہ پاکیزہ اور طیبہ مگر آنحضرتﷺ کا دستور العمل پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے طے فرمالیا تھا کہ کاشانہ نبوت سونے چاندی سے پاک رہے گا ۔ دینار تو دینار درہم کی بھی مجال نہیں تھی کہ وہ دولت کدے پاک میں رات گزارسکے ۔*

جہاد :

جہاد کے سلسلے میں عام مسلمانوں کے لئے زحف عن القتال (یعنی جنگ کے وقت میدان جنگ سے بھاگ جانا) حرام ہے، لیکن آنحضرتﷺ کی شان یہ تھی کہ ابھی دو لتکدے سے بھی نہیں نکلے صرف ہتھیار سجائے ہیں ۔ اس وقت ہر ایک مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ اسلحہ اتاردے اور موقع ہوتو ارادہ جنگ بھی ملتوی کردے ۔ لیکن آنحضرتﷺ ہتھیار سجانے کے بعد جائز نہیں

---

* اس سلسلے میں مفصل بحث پہلے گزرچکی ہے کہ کس طرح سب کچھ خرچ کرکے فاقہ اختیار کیاجاتا تھا (محمد میاں)

سمجھتے تھے⁰کہ اسلحہ اتار دیں جب تک فیصلہ کن جنگ نہ کرلیں۔

غرض یہ کردار تھا جس کو پیش کرتے ہوئے آپ آیات اللہ کی تلاوت فرمایاکرتے تھے۔ جو قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے وہ آپ کے عمل سے آیات اللہ کی تلاوت کیا کرتے تھے ۔

خلاصہ کلام :

تلاوت آیات اللہ کی تشریح کو ہم تبرکاًشہید وفا عبداللہ[○] بن رواحہ ضللہعنہ کے اشعار پر ختم کرتے ہیں ۔

۱۔ وفینا رسول اللہ یتلوکتابہ	اذانشق معروف من الفجر ساطع
۲۔ ارانا الھدی بعدالعمی فقلو بنا بہ	موقنات ان ماقال واقع
۳۔ یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ	اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

(بخاری شریف ص ۱۵۵)

”ترجمہ : (۱) ہمارے بیچ میں اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔ جو کتاب اللہ کی تلاوت اس وقت کرتے ہیں جب کہ وہ معروف اور جانی پہچانی شئی جور وشن ہوتی ہے جس کو فجر کہتے ہیں، شق ہوتی ہے (پوپھٹتی ہے) (۲) اس اللہ کے رسول نے

⁰ البدایہ والنہایہ ص ۱۳ ج ۴

[○] وہ جاں نثار اور فداکار جو غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

ہمیں نابینائی (گمراہی) کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا ۔ پس ہمارے قلوب اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہوکر رہے گا ۔(۳) یہ اللہ کے رسول اس طرح رات گذارتے ہیں کہ آپ کا پہلو بستر سے الگ رہتا ہے (خاص) اس وقت جبکہ مشرکین (بستر پر دراز ہوتے ہیں اور) بستران کے جثوں سے بوجھل ہوتے ہیں ۔

تعلیم الکتاب

يُعَلِّمُهُمُ الكِتٰب:

ہزاروں فتاویٰ اورفیصلے جن سے ملت اسلامیہ کے اہل علم حضرات فقہاءاستدلال کرتے ہیں اور غیرمسلم فضلاءکے لئے شمع بصیرت ہیں وہ انہیں غیر متمدن اورپس ماندہ کاشتکاروں یا چرواہوں کے ارشاد فرمودہ ہیں جن کی پس ماندگی کا شاہ ایران مذاق اڑایا کرتا تھا اورخود مکہ کے سردار ان کو حقیر سمجھتے تھے، یہاں تک کہ ابوجہل کو جانکنی کے وقت صدمہ تھا تو یہ کہ اس کو مدینہ کے کسانوں نے مارا ۔ یا ان کے ارشادات وفرمودات ہیں جو مکہ کے معمولی دوکاندار تھے اور تحقیق کی جائے تو ان میں کچھ وہ بھی تھے جو رہزنی کیا کرتے تھے اور کچھ وہ تھے کہ بقول علامہ حالی:

تعیش تھا ، غفلت تھی ، دیوانگی تھی   غرض
ہرطرح کی حالت بری تھی

ان حضرات نے نہ کسی کالج یا یونیورسٹی

میں تعلیم پائی تھی نہ کسی دارالعلوم یا دارالافتاءسے استفادہ کیاتھا۔ ان کی تعلیم گاہ و تربیت گاہ اسی ہادی اعظم کی خس پوش مسجد تھی جس کو رب العرش نے تعلیم کتاب کے لئے مبعوث فرمایا تھا ۔

پھر ان میں سے ۲۳ سالہ دور نبوت کے رفقاءتو چند ہی تھے جن کی تعداد چالیس بھی نہیں تھی۔ مدینہ طیبہ کا دس سالہ دور بھی سب کو نصیب نہیں ہوا۔ بہت[۵] سے وہ تھے جن کو دو تین سال اور بعض وہ بھی تھے جن کو چندماہ ہی میسر آئے مگراخذواستنباط کی وہ غیرمعمولی بصیرت نصیب ہوگئی کہ یونیورسٹیوں اوردارالعلوموں کے تعلیم یافتہ فضلاءان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بصیرت کے ساتھ جو وسعت ذہن میسر آئی وہ بھی پیغمبرانہ تربیت کی برکت تھی ۔ یعنی جس طرح وہ خود اخذ واستنباط سے کام لیتے تھے وہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اسی طرح اخذ و استنباط کا حق دوسرے کو بھی ہے۔ وہ جس طرح اپنی رائے کا احترام کرتے تھے دوسرے کے فیصلے کا بھی اسی طرح احترام کرتے تھے ۔

چنانچہ جن اجتہادی مسائل میں آج اختلاف ہے حضرات صحابہ کے دور میں بھی یہ اختلاف تھا۔ اسی لئے ہر ایک فریق کے پاس جس طرح آنحضرتﷺ کی کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول، یا فیصلہ بھی، وہ اپنے خزینہ یادداشت میں

---

[۵] جیسے حضرت ابوہریرہ ابو موسیٰ اشعری ، خالد بن ولید ، عمروبن العاص ، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم

محفوظ رکھتا ہے، مگر باہمی تصادم سے یہ حضرات محفوظ تھے ۔ اور سبق آموز بات یہ ہے کہ نہ باہمی رشک وحسد تھا ، نہ شوق تعلی نہ جذبہ برتری ، تحقیق مسئلہ کے وقت کھلے طور پر تنقید اور جرح ، مگر وقت نماز آگیا تو جماعت میں سب شریک ، بسااوقات امام وہی بناجو نشانہ اختلاف تھا ۔

یہ تھا تعلیم الکتاب کا ایک رخ اور حضرات صحابہ پر اس کااثر ۔ دوسری صورت ملاحظہ فرمایئے۔

(١) قرآن حکیم میں تغییرخلق اللّٰہ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی پیدا کرنے کو شیطانی فعل فرمایاگیا ہے ۔[2] مگرتغییر خلق اللہ کا لفظ عام ہے ۔ جس طرح مردوں کا خصی کرنا تغییر خلق اللہ ہے اور حرام ہے، ختنہ کرنا بھی تغیر خلق اللہ ہے ۔ علیٰ ہذا بدن کے کسی حصہ کے بال منڈوانا یا کٹوانا ، یا اکھاڑ نا ، ناخون تراشنا یا گدھوانا ، یا عورتوں کے سر کے بال مصنوعی طور پر بڑھانا یا چہرے کے بال نوچنا ، دانتوں میں مصنوعی طور پر کشادگی پیدا کرنا، ان باتوں میں خدا کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی ہوتی ہے ۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم الکتاب کے لئے مبعوث فرمایا تھا اس نے ان تمام کی تفصیل فرمائی ۔ بعض تغیرات کو مستثنیٰ فرمایا ۔ مثلاً ارشادفرمایا:

الفطرة خمس ، الختان والاستحداد ، و قص

---

[2] سورہ نساءآیت ١١٩

الشارب و تقليم الاظفارونتف الابط[1]

یعنی یہ پانچ چیزیں ،اگرچہ ان میں تغییر خلق اللہ ہے مگر یہ تغییر بتقاضاءفطرت ہے، یہ تغییر حرام نہیں ہے بلکہ فطرت ہے۔ ختنہ کرانا، موئے زیر ناف کو صاف کرنا، مونچھیں کٹوانا ، ناخون کتروانا ، بغل کے بال اکھیڑنا۔

اس کے مقابل دوسرا ارشاد یہ ہوا :

خالفو المشرکینہ وفرواللحی واعفوا لشوارب[2]

”مشرکین کے خلاف یہ طریقہ اختیار کرو کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب باریک کترواؤ “

عورتوں کے متعلق ارشاد ہوا :

لعن اللّٰہ الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللّٰہ ۔[3]

ترجمہ : “ان عورتوں پر خدا کی لعنت جو گودتی ہیں جو گدواتی ہیں جو بال نوچتی ہیں جو خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے دانتوں میں کشادگی کراتی ہیں جو خدا کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں ۔“

خلاصہ یہ کہ تغییر خلق اللہ کی تفسیر وتشریح کہ بعض کو جائز اور مستحسن قرار دیا اور بعض کو ممنوع اور حرام۔ یہ فریضہ نبوت تھا جس کو آنحضرتہ نے انجام دیا ۔

(۲) ارشاد ربانی ہے

---

[1] بخاری شریف ص ۸۷۵ ،
[2] بخاری شریف ص ۸۷۵ ،
[3] بخاری شریف ص ۸۷۹

وَاَحَلَّ اللّٰهُ اَلْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (سورۃ البقرۃ ۲۷۵)

”اللہ تعالیٰ نے خریدوفروخت (تبادلہ) کو حلال قرار دیا اور ربوا (ایسی زیادتی جو بدل سے زیادہ ہو) کو حرام قرار دیا“

اب قرض کی صورت میں اگر پانچ روپیہ کے بجائے چھ روپیہ وصول کئے جاتے ہیں تو ظاہر ہے یہ ایک روپیہ بدل سے زائد ہے ، ربوا یعنی سود ہے۔ لیکن اگر ایک تولہ چاندی کو دو تولہ چاندی ، یا ایک سیرگیہوں کو دو سیر گیہوں کے بدلہ میں فروخت کیاجائے ، تو کیا یہ بیع جائز ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی حرام فرمایا ، اور نہ صرف چاندی اور گیہوں بلکہ اس طرح[1] کی اور چیزوں کے متعلق بھی نہایت سختی کے ساتھ ہدایت فرمائی کہ اگر ہم جنس سے تبادلہ ہو مثلاً سونے کی بیع سونے کی کسی چیز سے ہورہی ہو تو اس میں بھی مساوات اور نقد ہونا ضروری

---

[1] حدیث میں ایسی چھ چیزیں شمار کی گئی ہیں جن کا تبادلہ اگر ہم جنس سے ہو تو زیادتی اور ادھار حرام ہے۔ تبادلہ برابر سرابر اور ہاتھ درہاتھ ہونا چاہئے ، چاندی ، سونا ، گیہوں ، جو ، کھجور اور نمک ، امام ابوحنیفہ رحمۃاللہعلیہ نے اس سے یہ اصول اخذ کیا کہ ایسی تمام چیزیں جو وزن کرکے یا صاع یارطل جیسے پیمانے سے ناپ کربیچی جائیں اگر ان کا تبادلہ ہم جنس سے کیا جائے تو ان میںمساوات اور ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے لہٰذا چاول ، جوار، مکی وغیرہ کا تبادلہ اگر ہم جنس سے کیا جائے مثلاً چاول کی بیع چاول سے کی جائے تو مساوات اور ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے نہ اضافہ جائز ہے نہ ادھار، کیونکہ یہاں جنس کا بھی اتحاد ہے اور قدر بھی متحد ہے کہ دونوں وزنی ہیں وزن کرکے بیچی جاتی ہیں ، واللہ اعلم

ہے ، نہ کم و بیش جائز ہے نہ ادھار ۔❷

ان دومثالوں میں سے ایک کا تعلق خریدوفروخت سے ہے دوسرے کا تعلق آرائش بدن سے ۔ ان کے علاوہ ہزاروں مسائل ہیں جن کا تعلق عبادات ، معاملات ، معاشرت ، اقتصاد ، امور خانہ داری ، آداب مجلس یا ملکی سیاست یا بین الاقوامی تعلقات سے ہے ۔ قرآن حکیم نے ان کے متعلق اصولی تعلیم دی ہے اور کہیں صرف اشارہ کردیا ہے ۔

ارشادات رسول اللہﷺ جو کتب حدیث کے ہزاروں صفحات میں محفوظ ہیں ان کی توضیح اور تشریح کرتے ہیں ۔ پھر حضرات ائمہ مجتہدین نے ان سے اصول اخذ کرکے پیش آنے والے معاملات کو ان اصول کے معیار پر جانچ کر احکام مرتب کئے جو کتب فقہ میں منضبط ہیں ۔

ارشادات رسول اللہﷺ کی تصدیق حضرت حق جل مجدہ نے فرمادی کہ ارشاد ہوا :

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

(النجم آیت ۳و۴)

---

❷ پانچ سیرگیہوں کی قیمت ایک روپیہ بھی لگاسکتے ہیں اور ایک ہزار روپیہ بھی ۔ یہ بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی پر ہے کہ وہ پانچ سیر گیہوں کو ایک روپیہ کی برابر قراردیں یا ایک ہزار کے برابر ۔ لیکن ہم جنس میں یعنی گیہوں کی بیع گیہوں سے ہوتو وہاں پانچ سیرگندم کو دس سیر گندم کے برابر قرار دینا غلط ہوگا ۔ البتہ جو جنس ایسی ہے کہ وہ کیل یا وزن کرکے نہیں بیچی جاتی، گزوں سے ناپ کر یا مثلاً شمار کرکے بیچی جاتی ہے جیسے کپڑا ، وہاں امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق یہ جائز ہے کہ ایک گز کپڑے کو ایک ہزار گز کپڑے کے عوض میں بیچا جائے مگر نقد ۔

”اپنی چاہ اور اپنے نفس کی خواہش پر آپ کچھ نہیں کہتے، آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔“

نیز حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(حشر ۷)

جو کچھ تمہارے سامنے پیش کریں رسول، اس کو لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔“

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم اعلیٰ بناکر بھیجا تو آپ نے دریافت فرمایا:

کوئی مقدمہ آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح فیصلہ کرینگے؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کتاب اللہ کے مطابق اور اگر کتاب اللہ میں اس معاملہ کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہوگی تو رسول اللہ کی سنت کے بموجب ، اور اگر سنت رسول اللہ یعنی آپ کے جو ارشادات یا واقعات میرے علم میں ہیں ان میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہوگی تو اپنے اجتہاد سے کام لوں گا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر دست مبارک رکھ کر فرمایا: الحمد للّٰہ وفق رسول رسول اللّٰہ لما یرضی بہ رسول اللّٰہ

”الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے رسول کے رسول (فرستادہ) کو اس کی توفیق فرمائی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔“

اس ارشاد گرامی نے حضرات مجتہدین کے

اجتہاد کی تصویب اور تائید فرمادی ۔

تعلیم الحکمۃ

یعلمهم الکتب والحکمة :

سکھاتے ہیں ان کو (علماءامت کو) کتاب اور حکمت[1] یعنی کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ آپ ایسے اصول کی تعلیم بھی دیتے ہیں جن پر قانونی عدل اور دستور و آئین کی حسین اور شاندار عمارت سربفلک کی جاسکے ۔ آنحضرتﷺ کے خطبات ملاحظہ فرمائیے : وہ ایسے ہی اصول کا مجموعہ ہیں یہاں خطبات کے علاوہ چند حدیثوں کا ترجمہ پیش کیاجارہا ہے :

---

[1] قرآن حکیم میں یہ الفاظ تین جگہ آئے ہیں ، سورہ بقرہ ، سورہ آل عمران اور سورہ جمعہ ، حضرت شاہ ولی اللہ حمتللہعلیہ نے حکمت کا ترجمہ سورہ بقرہ اور آل عمران میں علم کیا ہے اور سورہ جمعہ میں دانش۔ شاہ عبدالقادر حمتللہعلیہ نے (علی الترتیب) تین ترجمہ کئے ہیں:پکی باتیں ، کام کی بات ، عقلمندی۔ مگر ظاہر ہے یہ سب ترجمہ تشریح طلب ہیں ۔ احقر نے اپنے الفاظ میں اس کی تشریح کردی ہے۔ جہاں تک حضرات مفسرین کا تعلق ہے تو ان کے ارشادات یہ ہیں ۔ مایکمل نفوسہم من المعارف والاحکام وقیل هی السنۃ وقیل هی القضاءوقیل الفقہ (ص ۱۳۱ تفسیر مظہری ج ۱) الحکمۃ العلوم الحقۃ المستحکمة التی یستفیدها الحکیم من الحکیم بلاتوسط (کتاب ولابیان تفسیر مظہری ص ۱۶۶ ج ۳۲) الحکمة الشریعة المحکمة المطابقة بشرائع الانبیاءفی الاصول المشهود علیها بالکتب السماویة بالقبول ایضاً (تفسیر مظہری ص ۲۷۵ ج ۹) اصابة الحق بالعلم والعقل قضیہ صادقہ (المفردات فی غریب القرآن)

ارشــاد ہوا ؟ حلال بھی واضــح ہے حــرام بھی واضــح ہے۔ لیکن دونــوں کے درمیــان کچھ ایســے امـــور ہیں جن میں کچھ مشـــابہت حلال کی ہے کچھ مشـــابہت حـــرام کی ۔ پس جس نے ایســـے مشـتبہ امـور سـے تقـویٰ اختیـار کیـا اور احتیـاط برتی ۔ اس نے اپنے دین کو بھی اعتراض سے بــری کرلیا اور اپنی آبرو بھی بچالی اور جـوان مشـتبہ امور میں پڑگیا اس کی مثال اس چـرواہے کی ہے جو اپنے مویشی سـرکار کی محفـوظ چراگـاہ کے پاس چرارہا ہے قـریب ہے کہ وہ مویشـی کـو اس چراگاہ میں اتاردے ۔

“یـادرکھو ہر ایـک سـرکار کی چراگـاہ ہوتی ہے ۔ یـاد رکھـو (احکم الحـاکمین) اللہ تعـالیٰ کی چراگاہ حرام امور ہیں ۔ یاد رکھو بــدن میں ایـک گوشت کا ٹکڑا ہے وہ ٹھیک رہتا ہے تو بـدن ٹھیـک رہتا ہے۔ وہ بگڑ جائے تـو بـدن بگـڑ جاتـا ہے ۔ یـاد رکھــو یہ گوشــت کــا ٹکــڑا وہ ہے جس کــو “دل” کہاجاتا ہے ۔”[1]

اس ارشـــاد گـــرامی نے بہت ســـے اصـــول کی تعلیم دیدی ۔ مثلاً یہ کہ[2] ایسے تمـام امـور جن کے جـواز اور عـدم جـواز میں کلام ہو ۔ تقـویٰ یہ ہے کہ ان کو نہ کیـا جـائے ۔ اصـطلاح فقہ میں ایسـے امــور کــو مکــروہ کہاجاتــا ہے جــو درجہ بــدرجہ تنزیہی ، تحریمی ، پھرتحریمی قریب بحرام ہوتـا

---

[1] بخاری شریف ص ۱۳

[2] اس اصول کو سامنے رکھ کـر فـاتحہ ، سـوئم ، چہارم ، چہلم ، برسی ، شـب بـرات ، بی بی فـاطمہ کی صـحنک و محفل میلاد قیام وغیرہ پر نظر ڈالئے ۔

ہے ۔

یا مثلاً یہ کہ عقائد وخیالات کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ عقائد خراب ہوتے ہیں تو دل کے جذبات بھی خراب ہوتے ہیں، جو عمل کو خراب کردیتے ہیں ۔

(۲) اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے ۔[3]

“پس جو شخص مشتبہ کام کو چھوڑ دے وہ غیر مشتبہ حرام کو بدرجہ اولیٰ چھوڑ دیگا اور مجرمانہ جرأت کرکے مشتبہ کام کرنے لگے تو وہ عنقریب حرام میں بھی مبتلا ہوجائے گا ۔”

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[4] ۔ ایک روز آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے ، ہم بھی مجلس مبارک میں حاضر تھے۔ ارشاد ہوا :

“اپنے بعد مجھے تمہارے متعلق جس بات کا خطرہ ہے وہ دنیا کی وہ رونق و زینت ہے جو پوری زیبائش کے ساتھ تمہارے سامنے آئے گی ۔”

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا خیر بھی شرکو لاسکتا ہے؟ (یعنی جب یہ رونق و زینت حلال اور جائز راستے سے آئے گی تو پھر اس سے خطرہ کیوں ہے)۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس سوال پر آنحضرت ﷺ نے خاص توجہ فرمائی۔ آپ خاموش ہوگئے اور دیر تک خاموش رہے۔ ہمیں خیال ہوا کہ شاید وحی نازل ہورہی ہے ۔ اس کے بعد آپ نے پسینہ پونچھا اور دریافت فرمایا : “سائل کہاں ہے ”۔ گویا اس سوال کو

---

[3] بخاری شریف ص ۲۷۵
[4] بخاری شریف ص ۱۹۸

آپ نے معقول قرار دیا ۔ پھر فرمایا: " بیشک خیر شرکو نہیں لاتا بشرطیکہ خیر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو "۔ (یعنی دولت کی بنا پر جو حقوق ہوتے ہیں ان کو ادا کرتے رہو) ۔ پھر آپ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا : "دیکھو موسم بہار میں جو سبزہ پیدا ہوتا ہے اگر جانور اس کو کھائے چلاجائے تو وہ سبزہ (جو نہایت عمدہ ہے اور سراسر خیر ہے) جانور کو مار ڈالتا ہے یا نیم جان کردیتا ہے ۔ ہاں وہ جانور جو سبزہ کھاکر ساتھ ساتھ ہضم بھی کرتا رہے اور سبزے سے شکم سیر ہونے کے تقاضے کو پورا کرتا رہے، مثلاً یہ کہ یہی مویشی جب سبزے سے شکم سیر ہوجائے اور اس کی کہیں تن جائیں تو گھومے پھرے، دھوپ میں بیٹھے، پھر فضلے خارج کرے (اس کے بعد کھائے تو مفید ہوگا) پھر ارشاد ہوا: دیکھو یہ مال ہرا بھرا اور شیریں ہے، پس وہ اس مسلمان کا بہت اچھا دوست ہے جو مسکینوں ، یتیموں ، مسافروں اور ضرورت مندوں کو فراموش نہ کرے، ان کو بھی آسودہ کرتا رہے، اور دیکھو جو شخص بلااستحقاق کے مال لیتا ہے (مثلاً سوال کرکے) تو اس کی مثال ایسی ہے کھاتا رہتا ہے پیٹ نہیں بھرتا ۔"

تزکیہ

ویزکیھم :

ان کو مانجھتا ہے (مولانا ابوالکلام آزاد)

ان کو سنوارتا ہے (حضرت شاہ عبدالقادر)

ظاہر ہے یہ دوسرا ترجمہ زیادہ حاوی[1]، جامع اور واقعہ اور حقیقتِ حال کے زیادہ مطابق ہے۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اہل ایمان کو صرف مانجھا ہی نہیں بلکہ ان کو آراستہ بھی کیا ہے ان کو حسین اور جمیل بھی بنایا ہے ۔ یعنی مانجھنے کے بعد سنوارا۲ بھی ہے ۔ جس طرح یہ عمل بہت مشکل ہے کیونکہ یہ ایک کیمیا ہے اور کیمیا بھی وہ جو کانسی یا پیتل کو نہیں بلکہ زیرپاگردوخس وخاشاک کو سونا بناتا ہے اسی طرح اسکی وسعت بھی اتنی زیادہ ہے کہ ہزاروں صفحات کے دامن بھی اس کو نہیں سمیٹ سکتے کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کو سنوارنے کی ضرورت نہ ہو ۔ اور جو حسین و جمیل بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو ۔

فرد میں بھی خرابی ہوتی ہے ۔ جماعت میں بھی ، ظاہر میں بھی ، باطن میں بھی ، مرد میں بھی اور عورت میں بھی ، پھر اندرون خانہ ، بیرون خانہ ، حلقہ درس وتلقین ، محفل

---

[1] **لغت سے بھی قریب تریہی ترجمہ ہے یعنی سنوارتا ہے۔ کیونکہ لفظ زکوٰۃ کے معنیٰ صرف پاک کرنا نہیں ہیں بلکہ خوشگوار اور تروتازہ بنانے کے ہیں ۔ زکی الرجل صلح و تنعم فہوز کی (قاموس) والزکوٰۃ لغۃ الطھارۃ والنماءوالبرکۃ المدح (مجمع البحار) الزکوٰۃ النموالحاصل من برکۃ اللہ تعالیٰ (الی ان قال) وبزکاءالنفس وطہارتہا یصیرالانسان بحیث یستحق فی الدنیا الاوصاف المحمودۃ وفی الاخرۃ الاجر المثوبۃ** (المفردات فی غریب القرآن)

طــــرب ونشــــاط ، بـــزم شعروســـخن ، انجمن خوردونوش ، بازار ، تجارتی کاروبار ، بارگاہ عدل وانصاف یا ایوان سیاست اجتماعی مطالبات اور ان سے متعلق خواص کے نظریات، عوام کے جذبات ، طرح طرح کی تحریکات، سیاسی چالیں ، شاطرانہ حرکتیں ، میدان جنگ ، جشن فتح یا صلح کانفرنس وغیرہ۔ قدرتی بات ہے کہ ان میں خرابیاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔ خرابیوں کو دور کرکے خوبیاں پیدا کرنا۔ خرابیوں کے عوامل اور محرکات کو پہچان کر دلوں کو ان سے پاک کرنا اور ان کے برخلاف خدا پرستی، صدقات ہمدردی ، اخلاص اور ان کے جذبات کو دلوں کے نہاں خانوں میں جلوہ گر کرنا ان سب کا نام "تزکیہ" ہے ۔[1]

ان تمام وسعتوں کے ساتھ "تزکیہ" کو فرائض نبوت میں شمار کرایاگیا ہے یہ بھی ظاہر کردیاگیا کہ* خاتم الانبیاءوالمرسلین ﷺ نے اس فریضہ کو حسن وخوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا ۔ مگر کس طرح انجام دیا اور آئندہ کے لئے کیا کیا ہدایتیں فرمائیں ان کی تفصیلات کے

---

[1] مثلاً صرف مرض بخل رفع نہیں کیا بلکہ سیر چشمی ، وسعت نظر اور جذبات ہمدردی خلق خدا سے ان کو آراستہ بھی کیا ۔ (محمد میاں)

* ملاحظہ فرمائیے آیت ۱۶۴ سورہ آل عمران و آیت ۲ سورہ جمعہ جو قبولیت دعا کے سلسلہ میں ص ۳۶۹ پر گزری اور اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہوسکتی ہے کہ حضرات صحابہؓ کو کتاب اللہ نے الرشدون کی سند عطا فرمادی اور انہیں کو رشدوھدیٰ کا معیار قرار دیا أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً (سورہ حجرات ۸)

لئے آپ حدیث ، تفسیر ، فقہ ، سیرومغازی، تہذیب اخلاق ، تصوف واحسان کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں ۔ اس مختصر مجموعہ میں ان کا مختصر بیان بھی ممکن نہیں ہے ۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان تمام فرائض میں جو پہلے بیان کئے گئے (تلاوت آیات اللہ ، تعلیم الکتاب تعلیم الحکمہ) تزکیہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔ گویا نصب العین تزکیہ ہی ہے اور تمام امور اس کے مقدمات اور ابتدائی مراحل ہیں ۔

تزکیہ کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ نہ صرف عبادات واخلاق اور احسان و سلوک کی بنیادتزکیہ پر ہے بلکہ اسلام نے معاشرت ، معیشت ، سیاسی نظام اور اس کے لئے مالی نظام انتہا یہ کہ جنگ اور صلح کی بنیاد بھی تزکیہ پر ہی رکھی ہے ۔ مقاتلہ ومبارزہ ، دشمن کو تباہ کرنا، اس کے ملک کو برباد کرنا "جہاد فی سبیل اللہ" اسی وقت ہوگا جب لڑنے والے وہ ہوں جو اپنا تزکیہ کرچکے ہوں ۔ تزکیہ کے بغیر یہ قتل وقتال فسادفی الارض ہے۔ یہی تزکیہ ہے۔ جو زندگی کے ہرایک شعبہ میں کارفرما ہے ۔مثلاً

۱۔ معاشرت اور سماجی زندگی میں سب سے پہلی چیز نکاح اور ازدواج ہے ۔ وحی الٰہی کی ہدایت ہے ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔۳۰۔ (سورہ نور۔۳۰)

"کہہ دیجئے مسلمانوں سے، نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کرتے رہیں اپنی شرمگاہوں

**کی۔ یہ ان کے لئے زیادہ تزکیہ (صفائی اورپاکی)
کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو
کچھ لوگ کیا کرتے ہیں ۔“**

**اس تزکیہ کو سامنے رکھ کر آنحضرتﷺ نے
ارشاد فرمایا :**

**یامعشرالشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج
فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع
فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء[1]**

**نوجوانو ! جوازدواجی زندگی کی ضروریات
پورا کرنے کی استطاعت اور گنجائش رکھے وہ
ازدواجی زندگی اختیار کرے[2] کیونکہ اس سے نگاہ
پوری طرح نیچی ہوتی ہے اور فرج کی پوری
حفاظت ہوتی ہے اور جس میں یہ گنجائش نہ ہو
اس کے لئے لازم ہے کہ وہ روزے رکھے جو شہوانی
رجحانات کو مفلوج اور مضمحل کردیتے ہیں۔**

**ایک دوسرے کے مکان میں جانے کے لئے وحی
الٰہی نے استیذان کو ضروری قرار دیا کہ پہلے
اجازت حاصل کرو ۔ استیذان کے ساتھ سلام بھی
کرو ۔ پھر ارشاد ہوا:**

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

---

[1] بخاری شریف ص ۷۵۸

[2] اسلام تجرد کوپسند نہیں کرتا ۔ تجرد رہبانیت ہے اور سادھوپنا ہے جو نصب العین نہیں بن سکتا۔ کیونکہ زندگی کی دلچسپیوں کو ختم کردیا جائے تو ترقیات کی طرف بڑھنے والے قدم بوجھل ہوجائیں، دنیا اپنی رونق کو کھوبیٹھے اور معاشرہ انسانی کی چہل پہل ختم ہوجائے ۔ اسلام ارتقاءاور تعمیر کاحامی ہے ۔ وہ کسی گوشے میں بھی تخریب کو پسند نہیں کرتا صرف اس تخریب کو جائز قرار دیتاہے جو تعمیر کے لئے ہو ۔

بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورہ نور ۔ ۲۸)

"اور اگر تم سے کہاجائے کہ واپس ہوجاؤ تو واپس ہوجایا کرو۔ یہی تمہارے لئے صفائی اور ستھرائی (تزکیہ) کی بات ہے اور جو تم کرتے ہو ، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔" ❸

۲۔ معیشت اور کاروبار کے سلسلے میں تجارت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن تاجر کے لئے ضروری ہے کہ "الصدوق الامین "(پوری طرح سچا معاملا کرنے والا امانت دار) ہو۔ خیانت اور غلط بیانی وغیرہ سے تزکیہ کرچکاہو۔

ہرطرح کے کاروبار کے سلسلے میں ارشاد ہوا : اللہ تعالیٰ طیب (پاک صاف ستھرا) ہے وہ پاکی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے اور پاک اور ستھری چیز ہی قبول کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی ان باتوں کا حکم فرمایا جن کا حکم انبیاء علیمسلم کو فرمایا تھا ۔ انبیاء علیمسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے گروہ پیغمبران ! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو

---

❸ شروع سے پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے "اے ایمان والو مت جایا کرو گھروں میں اپنے گھروں کے سواے جب تک ان سے اجازت نہ لے لو اور (اجازت لینے سے پہلے) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو (مثلاً یہ کہو: السلام و علیکم! کیا حاضر ہوسکتا ہوں) یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا پورا خیال رکھو گے ۔ پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی آدمی معلوم نہ ہو تب بھی ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اجازت نہ دیدی جائے ۔ اور اگر تم سے کہاجائے کہ واپس جاؤ تو واپس ہوجاؤ یہی تمہارے لئے صفائی ستھرائی کی بات ہے۔

ہ”⁰

اسی طرح مسلمانوں کو خطاب فرمایا : اے ایمان والو! کھاؤ وہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں “ اس کے بعد آنحضرتﷺ نے اس شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے ، پراگندہ سر ، گرد سے اٹا ہوا اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر دعا کرتا ہے : یا رب ! یارب اور حالت یہ ہے کہ اس کی خوراک حرام ، اس کا پانی حرام (ناجائز طریقہ سے حاصل کیا ہوا) اس کا لباس حرام ، حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ۔ ایسے شخص کی دعا کیا قبول ہوسکتی ہے ؟ (ترمذی شریف تفسیر سورہ البقرہ ص ۱۲۳ ج ۲)

حرص ، طمع ، خود غرضی ، بخل ، نفع اندوزی ، ناپاک خصلتیں ہیں جن سے تزکیہ ضروری ہے۔ یہی خصلتیں ربوا اور سود کی علت پیدا کرتی ہیں۔ لہذا نہ صرف سود حرام ہے بلکہ ہر ایسا کاروبار اور ہر ایسا معاملہ حرام جس میں سود کا شبہ ہو ۔

سیاسی نظام میں چوٹی کا فرد یعنی سربراہ وہ ہونا چاہئے جوسب سے زیادہ متقی ہو ۔ یعنی تزکیہ نفس میں سب سے بڑھا ہوا ہو ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِندَ اللہِ اَتْقٰكُمْ ۭ اِنَّ اللہَ عَلِیمٌ

⁰ ایسے تاجر کا حشر انبیاءعلیمسلم اور صدیقین اور شہداءامت کے ساتھ ہوگا (ترمذی وابن ماجہ وغیرہ) اس کے برخلاف جو تاجر خیانت کرے (اچھا نمونہ دکھاکر براماال دے یا ملاوٹ کرے ، وغیرہ) اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ اس کو مسلمان کہنا درست نہیں (من غش فلیس منا ۔ ترمذی شریف ص ۱۵۷) چوربازاری کرنے والا ملعون ہے (المحتکر ملعون۔ ابن ماجہ وغیرہ)

خَبِيرٌ (سورۃ حجرات۔۱۳)

”اللہ کے یہاں سب سے زیادہ مستحق احترام وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیز گار ہو ۔“

حکومت کیا ہے :

اسلام نے نماز اور روزے کی طرح حفاظت جان و مال ، عصمت اور آبرو کی حفاظت ، تعلیم و تربیت ، امربا لمعروف ، نہی عن المنکر یعنی اچھی باتیں بتانا ان پر عمل کرانا ، بری باتوں سے خود رکنا اور دوسروں کو بھی روکنا ، عدل و انصاف ، غریبوں کی پرورش ، کمزوروں کی مدد ، مظلوموں کی فریاد رسی ، بیمار کی تیمارداری ، ملک اور قوم کی حفاظت وغیرہ کو بھی افراد کے فرائض قرار دیا ہے یعنی ہر ایک مسلمان کا خود اپنا فرض ہے کہ اپنی پوری طاقت و استطاعت ان فرائض کو انجام دینے میں مصروف کرے، ورنہ وہ عنداللہ جوابدہ ہوگا ۔ لیکن جب تک باہمی تعاون نہ ہو بہت[2] سے فرائض ایسے ہیں جو انجام نہیں پاسکتے ۔ اسی باہمی تعاون کے وسیع نظام کا نام نظام حکومت ہے اس کے سربراہ کو خلیفۃ المسلمین کہاجاتا ہے یعنی تمام مسلمانوں کا نائب اور ان کا قائم مقام ۔

---

[2] مثلا عدل و انصاف اور مظلوموں کی فریاد رسی کے لئے پنچائتوں یا عدالت کا قیام ، غریبوں اور کمزوروں کے وظائف ، تعلیم وتربیت کے لئے تعلیمی اور اصلاحی ادارے ، بیماروں کی تیمارداری کے لئے ہسپتال اور شفاخانے ، ملک وقوم کی حفاظت کیلئے قوت دفاع یعنی فوج اور سامان جنگ وغیرہ ۔

مالی نظام :

سیرۃ مبارکہ کا دامن اس جبرو قہر سے پاک ہے جو ٹیکسوں کے وصول کرنے کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام حکومت کی مالی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے جو مالیہ وصول کیاجائے اسلام نے اس کی بنیاد بھی تزکیہ پر رکھی ہے ۔

خود غرضی ، حرص وطمع، حب مال اور بخل وہ ناپاک خصلتیں ہیں جن سے نفس مومن کا پاک ہونا ضروری ہے ۔ یہ نفس کی خباثت ہے کہ دولت وثروت کی محبت قومی اور ملی ضرورتوں سے اس کی آنکھ بند کردے ۔

جس طرح نماز روزہ فرض ہے ایسے ہی جہاد بھی فرض ہے، جو مال سے بھی ہوتا ہے اور جان سے بھی، جو اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے ۔ اس کی بیداری یہ ہے کہ مسلسل[1] جہاد کرتا

[1] مقصد یہ ہے کہ تمام فرائض جو حکومت کے فرائض قرار دیئے جاتے ہیں اسلام نے ان کو اہل ایمان کے شخصی اور ذاتی فرائض قرار دیا ہے ۔ اسلامی تعلیم کے بموجب اگر ان فرائض کا احساس ہوگا تو اس کا مبارک نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کوئی ہیئت جابرہ اور چیرہ دست طاقت نہیں ہوگی جو قانون کے ذریعہ اپنی چیرہ دستی کا مظاہرہ کرے بلکہ نظام حکومت ذریعہ تعاون اور امداد باہمی کا ایک رابطہ ہوگا جس میں ہر ایک فریق دوسرے کا مدد گار، احسان مند اور دعاگو ہوگا۔ قوم اپنے سربراہ اور اس کے کارپردازوں کی شکرگذار اور احسان مند اس لئے ہوگی کہ ان کے ذریعہ اس کے ذاتی فرائض حسن و بخوبی سے انجام پارہے ہیں۔ سربراہ اور اس کے اعمال قوم کے شکرگذار اس لئے ہونگے کہ قوم کے تعاون نے ان کی ذمہ

رہے۔ صاحب مال جہاد بالمال بھی کرے گا ۔ یہ جہاد درحقیقت خود اپنے نفس سے ہوگا ۔ وہ نفس جو بارگاہ بخل❷ اور دربارحرص وطمع میں ہروقت حاضر رہتا ہے اس کو مجبور کرناہوگا کہ وہ اس ظلمت کدے سے نکلے۔ خود غرضی کی غلاظت سے اپنا دامن پاک کرے۔❸

ہنگامی اور غیر معمولی ضرورتوں کے لئے جو امداد حاصل کی جائے قرآن حکیم نے اس کو انفاق فی سبیل اللہ یا قرض کا عنوان دیا ہے ۔ لیکن ایک مقررہ چندہ جو صاحب نصاب پر سال بہ سال فرض ہوتا ہے اس کا نام زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کا مقصد تزکیہ ہے ۔ یعنی نفس مومن کو بخل کی آلودگی سے پاک کرنا ۔ اس تمہید کے بعد ارشاد ربانی کے مضمرات پر گہری نظر ڈالئے۔

ارشاد ربانی ہے :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا وَصَلِّ عَلَیْہِمْ ۔ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمْ (توبہ ، ۱۰۳)

داری کی مشکلات کو آسان کردیا ۔ آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد کا ترجمہ پیش کیا جارہاہے جو اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ ترجمہ یہ ہے: "تمہارے بہترین سربراہ وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو وہ تم سے محبت رکھیں ۔ تم ان کو دعائیں دو وہ تم کو دعائیں دیں اور بدترین سربراہ وہ ہونگے کہ تم ان سے بغض رکھو وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنت بھیجو وہ تم پر لعنت بھیجیں ۔ (مسلم شریف ص ۱۲۹ ج ۲) اِنَّ اللہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَ اَمْوَالَہُم (التوبہ ۔۱۱۱)

❷ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النساء۔۱۲۸)

❸ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر ۔۹)

ترجمہ : "اے رسول! ان لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو (یہ اس لئے کہ) تم ان کو (بخل اورحب مال کی پلیدی سے) پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو (ان کو سدھاؤ اور ان کی تربیت کرو کہ ہمدردی خلق خدا، سیرچشمی ،دادو دہش اور امداد باہمی وغیرہ کے وہ عادی ہوجائیں اور یہ باتیں ان کی طبعیت ثانیہ بن جائیں) اور ان کو دعا دو ۔ بیشک آپ کی دعا ان کے دلوں کے لئے راحت وسکون ہے ۔"

حب مال سے صحابہ کرام کے مبارک قلوب کس درجہ پاک ہوئے ، حضرات مہاجرین اور حضرات انصار کی قربانیاں اس کی مثال پیش کرتی ہیں۔ حضرات مہاجرین کے پاس جو کچھ تھا وہ انہوں نے مکہ میں خرچ کیا اور اس حالت میں مدینہ پہنچے کہ قرآن حکیم نے ان کے لئے لفظ فقراء[1] استعمال کیا ۔

حضرات انصار کی قربانیاں آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرماچکے ہیں ۔ تمام جائیداد یں نصف نصف تقسیم کرچکے ۔ پھر بھی ان کی آرزو رہتی تھی کہ راہ خدا میں زیادہ سے زیادہ خرچ کریں۔ آنحضرتﷺ نے بحرین کی جائیدادوں سے ان کے نقصانات کی کچھ تلافی کرنی چاہی تو اس کو لینے سے معذرت کردی کہ پہلے مہاجرین کو آپ عنایت فرمائیں۔ تب یہ جائیدادیں لیں گے ورنہ ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] لِلْفُقَرَآءِ الْمُہٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ وَ اَمْوَالِہِمْ
(سورہ حشر۔۸)

حب جان سے تزکیہ کا اندازہ کرنے کے لئے اس بے پناہ شوق شہادت پر نظر ڈالئے جو ان حضرات کے مبارک دلوں اور سینوں میں بھردیاگیا تھا ۔

"فزت ورب الکعبۃ" (میں کامیاب ہوگیا ہوں خدا کی قسم) کسی مجاہد نے دشمن کے قتل کرنے پر نہیں کہاتھا ۔ حرام بن ملحان کے جب دھوکے سے نیزہ مارا گیا اور خون کا فوارہ ابل پڑا تو اس خون شہادت سے وضو❷ کرتے ہوئے آپ نے نعرہ لگایا تھا:

"فزت ورب الکعبۃ" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا)

(میں اپنی مراد کو پہنچ گیا) یہ پَرتوتھا اس آرزو شہادت کا جس کے لئے سیدالانبیاء کا قلب مبارک بیتاب رہا کرتا تھا ۔ آپ فرمایا کرتے تھے میری تمنا ہے کہ راہ خدا میں قتل کیاجاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیاجاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔❶

حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا : سب سے افضل جہاد کون سا ہے ؟

ارشاد ہوا : "مذا هریق دمہ و عقر جوادہ❷"

---

❷ قال بدم هٰكذا فنضحہ على وجهہ وراسہ ثم قال فزت ورب الكعبۃ (بخاری شریف ص ۵۸۷) اشارہ کرکے بتایا کہ خون کو اس طرح چلّو میں لیا اور اس کو چہرہ پر ڈالا سرپر چھڑکا اور کہا فزت ورب الکعبۃ

❶ بخاری شریف ص ۳۹۲ ،

❷ ابوداؤد شریف باب بعد باب فی فضل التطوع فی البیت ص ۲۱۱ و ص ۲۱۲ ۔ مجتبائی

جس کا گھوڑا بھی مارا گیا اور خود اس کا خون بھی بہادیاگیا ۔

تزکیہ کا عجیب وغریب طریقہ :

مرض کے علاج کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ کسی مقوی خمیرے سے بدن کی اصل طاقت کو بڑھادیاجائے تو قوت غریزیہ مرض کو دورکردیگی ۔ شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی اس کے انسداد کےلئے یہی طریقہ اختیار کیاگیا ۔

وحی الٰہی ناطق ہوئی :

یٰاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ (نساء۔ ۴۳)

”مسلمانو! (ایسانہ کرو کہ تم نشے کی حالت میں ہو اور نماز پڑھنی شروع کردو) نشے کی حالت میں تو نماز کے پاس بھی نہ جاؤ (نماز کے لئے ضروری ہے کہ) تم ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو ٹھیک طور پر اسے سمجھتے ہو۔“

یہ ارشاد ربانی خمیرہ مقوی تھا ۔ نماز اور اپنے خالق کی بارگاہ میں سرنیاز خم کرنے کی عادت ہوچکی تھی ۔ شوق نماز نے شوق نشہ کو کارفور کردیا ۔ شراب سے وحشت ہونے لگی ۔ محفل میں دوراب بھی چلتا تھا ۔ مگر دلوں کا سرور ختم ہوچکا تھا۔ اچانک حرمت شراب کا اعلان ہوگیا ۔ تو نہ شراب باقی رہی نہ محفل شراب ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ، حضرت ابی بن کعب ، حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابرکی مجلس تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا ۔ ساقی میں خود تھا ۔ میں عمر میں بھی سب سے کم تھا۔ منادی کی آواز کانوں میں پڑی۔ مجھ کہا گیا : باہر نکل کر دیکھو آواز کیسی ہے؟ میں نے آواز سنی اور آکر کہا۔ اعلان ہورہا ہے:
“الاان الخمرقدحرمت ”(آگاہ ہوجاؤ، شراب حرام کردی گئی ہے)

میزبان محفل صاحب خانہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا: ”جاؤ مٹکے اندھادو “

میں نے تعمیل کی۔ اب پورے مدینہ کی حالت یہ تھی کہ شراب گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ جیسے ہی اعلان کانوں میں پڑا مٹکے اوندھے کردیئے گئے، کسی نے اس تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ اعلان کون کررہا ہے ، کس بنا پر کررہا ہے؟[1]

تزکیہ کا عجیب وغریب نمونہ جینا وبال جان :

ایک مومن کامل[2] سے زنا سرزد ہوگیا ۔ دوسرے موقع پر یہی حرکت ایک مومنہ سے بھی سرزد ہوگئی ۔ تلافی کا ایک راستہ یہ بھی تھا کہ پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کرلیتے ۔ ناامیدی

---

[1] بخاری شریف ص ۶۶۴ و ص ۸۳۷ ،

[2] مسلم شریف ص ۶۷ ج ۲

کی کوئی وج نیں تھی جب ک ارشاد ربانی کا سارا موجود تھا :

”ا میر بندو ، جنوں ن زیادتی کی اپن اوپر (گنا کئ) ناامید مت و الل کی رحمت س الل تعالیٰ سب گنا بخش دیتا “ (الزمر ۵۳)

مگر آئین کو مانجھن س بتر یی ک آئین ی کو توڑ دیا جائ ، و آئین ی کیا جس پر دھب پڑگیا ، غورفرمائی اس س زیاد تزکی کیا وسکتا ک خود اپنی جان وبال ون لگ ی صاحب ان کانام ماعز تھا ابن مالک خدمت مبارک میں حاضر وئ فریاد کرر تھ:

“یارسول اللّٰ طھرنی ” (یارسول الل مجھ پاک کردیجئ)

ارشاد وا: “ویحک ارجع فاستغفر الل وتب الی”(بند خدا ! جاؤ ، استغفار کرو ، توب کرلو)

ی ارشاد سن کر کچھ چل ، مگر دل مضطر کا اضطراب ختم نیں وا ، پھر لوٹ کرآئ فریاد کرت وئ :

“یارسول اللّٰ طھرنی ” (یارسول الل مجھ پاک کردیجئ)

آنحضرت ن پھرواپس کردیا ، تین مرتب اسی طرح ان کو واپس کیا ، مگر ان ک اضطراب ن ر مرتب انیں لوٹن پرمجبور کیا تب چوتھی مرتب فرمایا : کس ناپاکی س پاک کردوں عرض کیا یارسول الل میں ن زنا کیا [3] پھر آپ ن باقاعد چار مرتب اقرار کیا اس

---

[3] آپ ن ی بھی فرمایا ؛ تمیں جنون تو نیں وگیا

کے بعد رجم کا حکم صادر کیاگیا ۔ چنانچہ ان کو سنگسار کردیاگیا ۔ مگر یہ جو پاک ہونے کے لئے مضطرب تھے اب ان کی پاکی ملاحظہ فرمایئے ۔ انہیں ماعز کے متعلق آنحضرتؐ نے بشارت دی کہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پوری امت پر بانٹ دی جائے تو سب کے لئے کافی ہوجائے ۔

تمہیں شراب کا نشہ تو نہیں ہے ؟ حضرت ماعز نے انکار کیا اور اپنے اعتراف پر قائم اور پاک کرنے کے اصرار کرتے رہے ۔ حضرت ماعز پھر بھی مرد تھے، ان سے زیادہ حیرت انگیز اور سبق آموز واقعہ قبیلہ غامد کی ایک خاتون کا ہے ۔ اس نے آکر اسی طرح اعتراف کیا اور یہی اصرار کیاکہ طھرنی، مجھے پاک کردیجئے ۔ یہ حاملہ تھی ۔ آپ نے فرمایا : پہلے ولادت سے فارغ ہولو ۔ جب بچہ ہوگیا تو پھر آئی اور اصرار کیا طھرنی، مجھے پاک کردیجئے ۔

آپ نے فرمایا : ابھی بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ چھوٹنے کے بعد پھر آئی ۔ بچہ گود میں اور اسکے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ۔ اور یہی اصرار کہ مجھے پاک کردیجئے ۔ فرمایا : بچے کا ذمہ دار کون ہوگا؟ ایک انصاری نے بچے کا ذمہ لیا تب اس کو رجم کیاگیا ۔ (مسلم شریف ص ۶۸ ج ۲) حیرت انگیز اور قابل قدر یہ ہے کہ یہ معاملہ خود اس کے اقرار پر تھا، شہادتوں سے اس کا ثبوت نہیں ہوا تھا تو جس مرحلہ پر بھی اعتراف کرنے والا مجرم اپنے جرم کا انکار کردے اس پر حد نہیں جاری ہوگی ۔ آنحضرت ؐ نے یہ سوال کرکے کہ تمہیں جنون تو نہیں ہوگیا ، تم نے نشہ تو نہیں پی رکھاہے بار بار موقع دیا کہ وہ کسی طرح اپنے جرم کا انکار کردے ۔ اس خاتون کو ولادت پر دودھ پلانے تک کی مہلت دیکر انکار کردینے کا موقع دیاہ مگر حیرت ہوتی ہے ان کا ایمان اور اپنے ناپاک ہوجانے کا یقین اتنا مضبوط تھا کہ کسی صورت سے بھی اس میں جنبش نہیں ہوئی اور جس طرح پہلے اعتراف کے وقت اپنی زندگی کو وبال جان سمجھ رہے تھے، آخرتک وہ ان کو وبال ہی معلوم ہوتی رہی۔ مگر اس ایمان محکم کا یہ نتیجہ تھا کہ آنحضرتؐ نے جس طرح حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کی تعریف کی تھی اس

تزکیہ، جو بعثت مبارکہ کا اہم مقصد تھا اس کو کس طرح عمل کے پیرایہ میں جلوہ گرفرمایا: اس کی وضاحت کے لئے چند مثالیں کافی ہیں ان سے یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ یہ مقصد کس درجہ ہمہ گیر ہے ۔

اس کتاب میں یا کسی ایک کتاب میں اس کے تمام شعبے بیان نہیں کئے جاسکتے ۔

لہذا یہ کوشش لاحاصل ہے ۔ البتہ اتنی تفصیل بیان کردینی ضروری ہے جس سے شب و روز کی زندگی میں تزکیہ کا نقشہ اور تزکیہ والے کی ایک تصویر سامنے آجائے ۔

رات دن میں جو کام انسان عادۃً کرتا ہے اور سونے جاگنے ، کھانے پینے ، اٹھنے بیٹھنے میں جو حالات سامنے آتے رہتے ہیں ، اور گذرتے رہتے ہیں ان کے آداب کیا ہیں جن کی آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمائی ، اور بندے اور اس کے خالق کے تعلق کو کس طرح نمایاں فرمایا۔

خاتون کے متعلق بھی فرمایا کہ ایسی توبہ کی ہے کہ بڑے سے بڑا ظالم بھی ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے۔